غلغلے

دلنواز دل

التحریر
لاہور

داغ داغ دل

دل نواز دل

التحریر، لاہور
اردو بازار - کبیر سٹریٹ

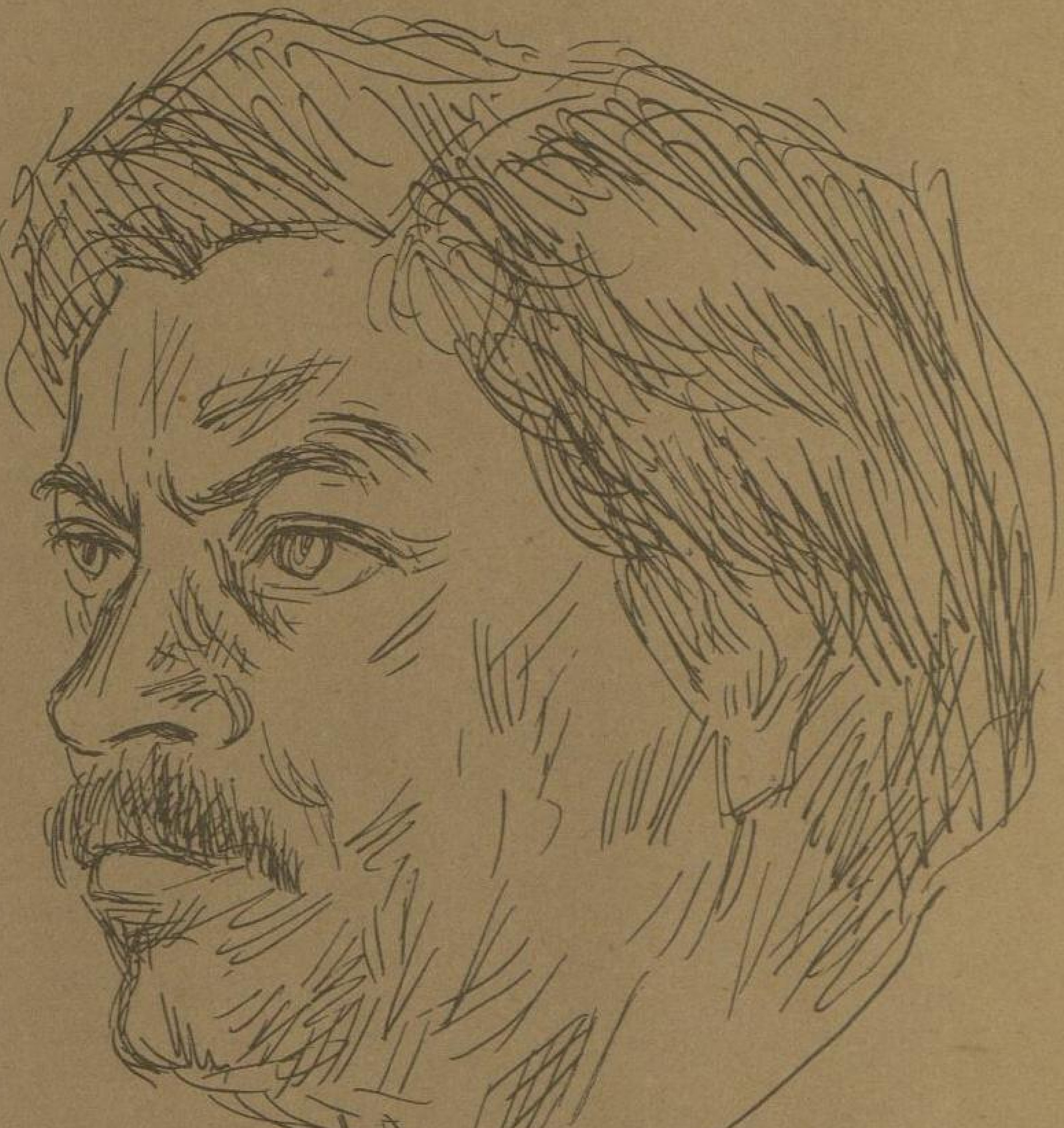
بار اوّل
مارچ ۱۹۷۸ء

ناشر : خالد سیف اللہ
مطبع : نقوش پریس، لاہور
کتابت : محمد حسین (شاہ)
سرورق : صادقین
قیمت : ۴۰ روپے

انتسابِ گلِ لالہ کے نام

جس کا داغ مری زندگی ہے




12th. Feb. 77

نہ بندھے تشنگیٔ ذوق کے مضموں غالبؔ
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

خونِ دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگِ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہُو

(اقبالؒ)

واردات دل

جدّت اور روایت کا جھگڑا تو بہت پُرانا ہے لیکن جو حقیقت اس سارے فتنے وفساد اور بحث وتمحیص سے آشکارا ہُوئی ہے اور جس سے شاید ہی کسی معقول انسان کو انکار ہو سکے وہ ہے کہ جہاں روایت سے کسی طرح انحراف ممکن نہیں وہاں جدّت کا اعتراف بھی بہرطور ناگزیر ہے۔ جدّت کا تار تار لبادہ اوڑھ کر روایت کا مذاق اُڑانا کج فہمی کی نشانی ہے اور روایت کا بے جا سہارا لے کر جدّت پر اوچھے وار کرنا کم ظرفی کی دلیل! ہر دور جدّت کا دور ہوتا ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ قدیم اور پھر قدیم تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

جدّت پسند یا ترقّی پذیر ہونا وقت کی آواز ہے اور روایت سے ناطہ جوڑے رکھنا وقت کی بازگشت! زندگی کی یہی گونج درحقیقت ماضی، حال اور مستقبل کے زیر وبم، نشیب و فراز اور صعُود ونزُول کی پیامبر ہوتی ہے جس سے منزلیں ملتی اور پھر پیچھے رہ جاتی ہیں کہ ہر گذری منزل اک نئی منزل کا نشان دیتی ہے اور زندگی کا کارواں منزلِ مقصود کے لیے یونہی جادۂ اطاعت پر منزل بہ منزل وقت کا بے کراں اور کٹھن سفر طے کرتا چلا جاتا ہے۔

آج کل کے ترقّی پسند دراصل سہل پسند واقع ہُوئے ہیں۔ ذہنی کاہلی اور جسمانی سُستی نے انھیں چائے کی پیالی میں ڈبو کر رکھ دیا ہے۔ یہ آج اسی نیم گرم چائے کی پیالی سے نکلی ہوئی بے اثر آہ کے سہارے مضمون باندھتے ہیں اور اِسی کے تلخ گھونٹوں میں زندگی کے زہر کا تریاق ڈھونڈتے ہیں۔ ان میں تحقیق اور تجربے کا مادّہ مفقود ہے اور ان کا مطالعہ اور مشاہدہ محدود ہے۔ اس کے برعکس روایت پسند اس حد تک تجاوز کر جاتے ہیں کہ باوجود وقت کے تقاضوں اور تنبیہہ کے پیچھے مُڑ مُڑ کر دیکھنے سے باز نہیں آتے۔ نتیجتاً پتھّر ہو کر رہ جاتے ہیں اور پھر بے رحم وقت کے ظالم تیشے کے وار سہتے رہتے ہیں۔ ستم یہ ہے کہ ان کی صورت پھر بھی نہیں بن پاتی اور جدّت پسند ان سخت پتھّروں کی بے حسی کا مذاق اُڑاتے پھرتے ہیں۔ جو نہ تو بتوں میں ڈھل سکتے ہیں اور نہ کوئی قابلِ پرستش بُت بنانے کے قابل ہی ہو پاتے ہیں۔

شاعری درِ اصل شدّتِ احساس اور مُدّتوں کی محنتِ شاقہ کا ثمر ہے (محنت سے یہاں میری مراد مطالعہ اور مشق ہے) جس میں احساس کے نغموں کی تشنگی، تلخی اور نغمگی، مشاہدوں کی دھنک سراب اور حقیقتیں، مطالعے کی لگن، گہرائی اور گیرائی، مشق کی سختی، تازگی اور پختگی کا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ شدّتِ احساس دل کی دھڑکن کی محتاج اور ممنون ہے اور اس کی تسکین گہرے اور گوناگوں مشاہدے اور تجربے سے ہی ہوتی ہے۔ سعیٔ بلیغ ان تھک مطالعے اور مشق کی دست نگر ہے۔ سعیٔ بلیغ سے آنکھوں کی سیپیاں گوہرِ مراد پاتی ہیں اور دماغ پر پڑے اندھیروں کے دبیز پردے زبان اور بیان کی ٹھنڈی اور معطّر ہواؤں سے لہرا کر ہٹ جاتے ہیں۔ پھر نگاہیں قوسِ قزح کی محرابوں کے نیچے الہامی خیالوں اور جمالوں کو سجدہ ریز دیکھنے لگتی ہیں۔ ایسے وجد و القا کا صلہ و ثمر صحت مند، رنگا رنگ اور شبنمی ادب کی تخلیق میں ملتا ہے جس سے زندگی کی تلخیوں میں کمی ہوتی ہے اور دل سکون اور دماغ راحت حاصل کرتا ہے۔

شدّتِ احساس نہ ہو تو محنتِ شاقہ رائیگاں جاتی ہے۔ شاید جدّت پسند روایت پرستی سے یہی معنی و مطلب اخذ کرتے ہیں، یعنی محنت بغیر احساس کے یا پھول جُدا خوشبو سے، نظر بغیر نُور کے یا پھر نقشِ بناں فرہاد کے۔ لیکن ایسا سوچنا جہاں علم و عقل کے فقدان کا ثبوت دے گا وہاں ذوقِ سلیم کے ناپید ہونے کی گواہی بھی دے گا کہ فرہاد، نُور اور خوشبو کا تعلّق بہرصورت وجود سے ہے اور وجود کا تصوّر موجود کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ جسم کی حقیقت روح یا دھڑکن سے علیحدہ کیا ہے؟ دھڑکن نہ ہو تو دل میں درد کہاں سے آئے، ضمیر کی اُٹھان کیونکر ہو! ضمیر وجدان کیسے پائے! لازم و ملزوم کو ایک دوسرے سے جدا کر کے مجرموں کی طرح فکر کے کٹہرے میں کھڑا کرنا اور پھر ان پر بے سود، لاحاصل اور بے درد جرح کا جواز پیدا کرنا فقط لفاظی اور بیان کی شعبدہ بازی نہیں تو اور کیا ہے! بلکہ ایسا کرنے سے ہم ان لازوال عدل و انصاف کشش و کراہت کے توازن کو جھٹلاتے ہیں جس کے ترازو میں ارض و سما کی اُٹھان اور پروان ہوئی اور جس کے توسّط سے ہی انسان کے تخیّل و تفکّر نے حقیقتِ سرمدی کو جاننا اور پہچانا ہے۔

محنت کے بغیر شدّتِ احساس کسی بھی فن کے لیے مُہلک ہے۔ محنتِ شاقہ نہ ہو تو شدّتِ احساس کسی بھی طرح شکست و ریخت اور کون و فساد سے آگے نہ بڑھنے دے جو تخریب کے دروازے پر دستک دینے کے مترادف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں کے توازن سے ہی رنگوں اور رجحانوں میں تازگی اور پختگی آتی ہے اور انہی دو متفرق طاقتوں سے شاعری میں

آفاقیت پیدا ہوتی ہے۔ حقیقت میں زندگی انہی دو رنگوں سے عبارت ہے کہ ان کی یک رنگی ہی آخر زندگی میں دھنک کا روپ دھارتی ہے۔ ماضی کے ادب کی دھڑکنیں اسی سعئ بلیغ اور احساس کی آمیخت سے آج بھی سُنائی دیتی اور محسوس کی جاتی ہیں۔

شدّت احساس ایک آفاقی قوّت ہے اور محنت شاقہ تخلیقی طاقت! اِن دونوں کا سرچشمہ انسان کی ذات ہے اور انسان مجموعی طور پر نہ تو قدیم ہے اور نہ ہی جدید۔ بلکہ وہ ہمیشہ عصرِ حاضر میں رہتا ہے۔ جو وقت کی قید و بند سے آزاد ہوتا ہے۔ اِسی لیے آفاقی شاعری کسی زمان و مکاں کی پابند نہیں ہوتی۔ انسان وقت کا ایک ایسا لا متناہی سلسلہ ہے جو کون و مکاں میں مقیّد نہیں ہو سکتا۔ انسان تسبیح کے دانوں کی طرح ہیں جو وقت کے دھاگے میں پرو دیے گئے ہیں۔ ایک کی اِنتہا سے دوسرے کی ابتدا ہوتی ہے۔ ایک دانے کے رولنے سے دوسرے رُل مِل جاتے ہیں اور یہ سلسلہ تا بہ زیست جاری و ساری رہتا ہے اور رہے گا۔ تسبیح کے دائرے کا مرکز دھڑکن کی وہ چوٹ ہے جو زمانہ ہر دور میں کھاتا رہا ہے اور کھاتا رہے گا۔ اور اسی چوٹ سے اِنسان اپنی ہستی کو جانے اور اپنی حقیقت کو پہچانے گا۔ تسبیح کا چلنا زندگی کے متحرّک یا تغیّر پذیر ہونے کی دلیل ہے اور اس کے دانوں پر ایک لمحے کے لیے انگلیوں کا ٹھہرنا ارتقاء کی مسافتوں اور تہذیب کی منزلوں کے فکری آہنگ اور تصوّراتی رنگ کے لمحاتی جمود کی شہادت دیتا ہے جو مسلسل ٹوٹتا رہتا ہے۔ ارتقاء کی مسافتوں اور تہذیب کی منزلوں کے یہ دائرے صدیوں میں مکمل ہوتے اور پھر قرنوں پر پھیل جاتے ہیں۔

کہنے اور سوچنے کے ڈھنگ اگر مختلف اور نئے ہونے کے ساتھ ساتھ زندگی کی عکاسی اور ترجمانی خوبصورتی سے کر سکیں تو جدّت بہر طور احسن اعلیٰ و ارفع ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ خوبصورتی کی تشریح اور توضیح شعراء حضرات کے لیے ضروری نہیں ہو گی۔ صرف اِتنا کہہ دینا ہی کافی ہو گا کہ اس کا جسم حُسنِ زبان و بیان اور روح رنگِ فکر و خیال ہے اور روح و جسم کا حسین امتزاج ہی دراصل فکرِ سخن کو حُسنِ کامل بخشتا ہے۔ دیدۂ بینا، حسّاس دل اور روشن دماغ ہو تو زندگی کے کئی زاویے اور پرتو، اندھیرے اور اُجالے ایسے نظر آئیں گے جو پہلے شاید کسی کی نظر سے نہ گزرے ہوں یا اُن میں احساس کی وہ شدّت، خیالوں کی وہ ندرت اور بیان کی وہ جدّت نہ پائی گئی ہو جو اَب قلم کو نصیب ہوئی۔ نظر کے زاویے اور خیالوں کے پرتو دراصل موجودات کو ہی آشکارا کرتے ہیں۔ اگر نگاہِ کرم کے کرشمے دیدۂ عبرت سے دیکھے جائیں تو شبنم کے موتی اُن سیپیوں کا پتہ دیں گے جو جانے کب سے اُن بادلوں

اور بجلیوں کے انتظار میں تڑپ رہی ہیں، جن میں خدا جانے کتنے آسمانوں کے آنسو اور کتنی زمینوں کی دھڑکنیں پنہاں ہیں۔

ذرّہ حقیر نظر آئے تو روایت! اور اگر ذرّہ خورشید نظر آئے تو جدّت! فتورِ نظر کا ہے ذرّے کا نہیں! ذرّے کا ضمیر ہمیشہ سے روشن رہا ہے اور روشن رہے گا۔ انہی ذرّوں کی اجتماعی تڑپ سے ادب کے اُفق پر چراغِ عالم افروز طلوع ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ ہمارے نصیب اور نظر۔۔۔ یں ان کو ڈوبتا ہوا اس لیے دیکھتی ہیں کہ ہماری فکر و نظر کی زمین ایسی گردش میں ہے جو جدّت کے چکّر میں پھنس کر رہ گئی ہے اور جس کی وجہ سے ہمیں ہماری روایت کا محور نظر ہی نہیں آتا جو درحقیقت ہماری جدید سوچ اور فکر کا مرکز ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ مشاہدے کے نئے پن کو صفحۂ قرطاس کی نذر کرنے سے پہلے اس کے لیے ماضی کا سفر کرنا بہت لازم ہوتا ہے۔ پھر کہیں جا کر قلم کی سیاہی کو نئی روشنی نصیب ہوتی ہے اور اس تمام مسافت کے لیے گہرے مطالعے اور سخت مشق کی کٹھن راہیں اپنانی پڑتی ہیں ورنہ نئی منزلوں کے نشان نہیں ملتے اور صرف شدّتِ احساس سے تو انسان فقط بھٹک کر رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ آج کل کی جدید اور روایتی شاعری کے کچھ نمایندے ایسے بھی ہیں جو شدّتِ احساس اور محنتِ شاقہ دونوں سے یکسر خالی ہیں اور صرف محدود مشاہدے اور بے سود مطالعے پر لفظوں کا کاروبار کرتے ہیں اور پھر خواہش یہ رکھتے ہیں کہ اُن کا شمار بھی اہلِ سخن میں ہو جو دیوانے کا خواب تو ہو سکتا ہے تعبیر نہیں۔

آج کل شاعری پیشے کے طور پر نہیں اپنائی جا سکتی اور نہ ہی پُرانے درس و تدریس کے سلسلے باقی رہے ہیں کہ اُن سے ناطہ جوڑ کر استفادہ حاصل کیا جا سکے اس لیے آج کل شاعری کی اُونچ نیچ سمجھنے کے لیے زیادہ تر اپنی محنت استطاعت اور شُدھ بُدھ پر ہی بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔ رہنما مل جائے تو انسان بہت سی ٹھوکروں سے بچ جاتا ہے اور شدّتِ احساس سے بھٹکتے رہنے کی مُدّت بھی گھٹ جاتی ہے۔ مگر آہ کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اب وہ اُستاد کہاں! اب وہ شاگرد کہاں! لیکن اگر یہ سب کچھ مل بھی جائے تو اب وہ فرصتِ ایّام کہاں! آج تو نہ پاؤں تلے زمین ہے نہ سر پہ آسماں!! خرابیٔ دل کا کیا کریں! فتنۂ دماغ سے کیسے نجات پائیں!

مولانا رومؒ کو اپنی سخن وری کے معجز بیان اور شیریں زبان ہونے کا مکمل ایقان

وادراک تھا ورنہ وہ یہ شعر کبھی نہ کہتے :

شعر می گویم بہ از قند و نبات
من نہ دانم فاعلاتن فاعلات

لیکن ہر کوئی مولوئ معنوی تو نہیں ہو سکتا! ایسا دعویٰ کرنے کے لیے جس علم و ہنر ایمان و اعتقاد اور جذب والہام کی ضرورت ہے وہ ہر شاعر کا نصیب کہاں!

موجودہ میکنکی دور میں ذرّے کا دل چیر کر اس کی تڑپ کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ فقط اس کی تڑپ کے احساس اور خیال سے تڑپ اُٹھنا یا جل بجھنا اب کافی نہیں سمجھا جاتا۔ کل کے خیال آج کی ٹھوس حقیقتوں میں ڈھل چکے ہیں۔ چاند اب صرف جلا ہُوا مٹی کا تودہ ہی تو ہے۔ اس لیے محبوب کے چہرے کو اس سے یا اس کے ہیولے سے تشبیہہ دیتے ہُوئے اک انجانا سا دُکھ اور درد محسوس ہوتا ہے۔ لیکن چاند کا دُکھ اور درد بھی تو آخر چاند سا ہی ہے۔

گُل و بُلبُل، شمع و پروانہ، لیلیٰ مجنوں، ہیر رانجھا، چاند اور چکوری اور اسی طرح کے ہزاروں دوسرے محبّت کے لازوال سمبل آج بھی زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ مانا کہ محبّت کا مفہوم بدل گیا ہے لیکن اس کی فطرت آج بھی وہی ہے جو صدیوں پہلے تھی۔ یہ سچ ہے کہ استعاروں اور تشبیہات نے نئے نئے روپ دھار لیے ہیں لیکن محبّت کی روح نہیں بدل سکتی۔ تلمیحات تو بدن کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جو بدلتے ہی رہتے ہیں کہ زندگی نام ہی تغیّر کا ہے۔ کشش جو کہ زندگی کی روح ہے دراصل زندگی کا حاصلِ مقصد ہے۔ یہ نہ ہو تو زندگی نہ ہو۔ اس کے بغیر اجرامِ فلکی محور سے نکل جائیں۔ اس کی ذات میں فساد آجائے تو نظامِ شمسی اپنے مرکز سے ہٹ جائے۔ ابدی اندھیروں کی نذر ہو جائے۔

درد و الم، اُمید و بیم، غم اور خوشی، آرزو و حسرت، شکست و ریخت، عروج و زوال سب زمین اور زندگی کے جزو لاینفک ہیں۔ ان کے بغیر زمین پر زندگی کا کسی شکل میں تصوّر ممکن نہیں۔ ازل تا بہ اَبد یہ ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ قائم ہے اور اسی طرح قائم و دائم رہے گا۔ ظلم کا تصوّر ظالم سے ہے۔ قہر بھری نگاہیں ہمیشہ رحم طلب نظروں کی متلاشی رہی ہیں اور رہیں گی۔ بلندی میں اگر پستی کا نشان ہے تو نرمی سختی کا مذاق! کون استحصال کرتا ہے اور کس کا استحصال ہوتا ہے یہ زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ اگر فرعون کے لیے موسیٰ ہے تو سُولی کے لیے عیسیٰ۔ اگر کربلا کے لیے حسینؑ ہے تو ہر بلا کے لیے محمدؐ۔ جہاں بُت کے لیے تیشہ ہے وہاں تیشے کے لیے سَر بھی ہے

خون ہوگا تو دل تڑپے گا اور اگر دل تڑپے گا تو خون ضرور رنگ لائے گا۔ ان تمام حادثات و واقعات، کو دل والے خون سے نکھارتے رہے ہیں اور نکھارتے رہیں گے۔ حسن کی باتیں ہوتی رہیں گی عشق کے قصے چلتے رہیں گے۔

اب جبکہ انسان چاند ستاروں کو مسخر کرنے کی قدرت حاصل کرتا جارہا ہے۔ کائنات کے اور بہت سے پہلو اور راز اُس کے سامنے آئیں گے کھُل جائیں گے۔ شاعری کو نئی وسعتیں ملیں گی۔ خیالات کو لفظوں کے نئے نئے پیرہن میسر آئیں گے اور جوں جوں احساس کی شدّت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا توں توں محنت کی سرحدیں پھیلتی چلی جائینگی۔ اب ایک زمین ایک چاند ایک سورج اور ایک زندگی کا رونا رو تے ہیں۔ پھر نہ جانے کتنی زمینیں زخم لگائیں کتنے چاند داغ دیں، کتنے سورج کرنوں کے خنجر گھونپیں اور کتنی زندگیاں بھوگنی پڑیں۔ اس طرح آج کی تازہ اور شگفتہ جدّتیں کل کی فرسودہ اور بے ہودہ روایتیں بن جائیں گی! اور انسان اُن چیزوں اور نوادر کو جو پہلے سے ہی کرّۂ ارض اور خلاؤں میں موجود ہیں دریافت کرنے کا سہرا باندھ کر جدّت کی دُلہنیں گھر لاتے رہیں گے۔ مگر یاد رہے کہ ہر دریافت اور ایجاد روایت بننے سے پہلے دراصل جدید ہی ہوتی ہے۔ کلی، پھول اور کانٹے کے درمیان سوائے شبنمی راتوں کے کوئی رشتہ نہیں ہوتا جو دُکھ جھیل کر ترستے ہوُے اور درد سہہ کر ہی کٹتی ہیں اور یہ راتیں آج بھی ویسی ہی ہیں جیسی ہزاروں اور لاکھوں سال پہلے تھیں۔ راتوں کا یہ عمل شدّتِ احساس اور محنتِ شاقہ کی وجہ سے ہی ظہور میں آتا ہے۔ جدّت میں اگر روایت کا رنگ نہ ہو تو ایسا اندھیرا پھیلے کہ دن رات کی تمیز نہ ہو پائے۔ اور اگر روایت میں جدّتِ طبع شامل نہ ہو تو یہ زہر بھرے کانٹوں میں تبدیل ہو کر زندگی کے پھول جیسے بدن کو ایسے بس سے بھر دے جس کا تریاق نہ ملے اور جس سے خیالوں اور سوچوں میں سوائے موت کی تلخی اور تاریکی کے اور کچھ نظر نہ آئے۔

شاعری کے لیے جس ریاضت کی ضرورت ہے اس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں کہ مختلف پیمانے الگ الگ پیمائش رکھتے ہیں اور رہی شدّتِ احساس کی بات تو اس کا تعلّق تو دل سے ہوتا ہے جو بذاتِ خود ایک کائنات ہے۔ اس کی تڑپ اور دھڑکن کیا ہے؟ کیوں ہے؟ کیسے ہے؟ یہ ایسے سوال اور راز ہیں جن کا جواب پالینا انسان کے بس کی بات نہیں! اس راز کو پا لینے کی اُمید، یہ دھڑکن، یہ تڑپ، یہ چوٹ اور اس کا

درد و کرب اور پھر ان سب خیالوں، حقیقتوں، خواہشوں اور محرومیوں کی لذت کا غم اور احساس ہی در اصل شاعری ہے۔ آنکھ اور دماغ مشاہدے اور مشق کا سرچشمہ اور دل اور دھڑکن احساس اور جذب کا کرشمہ ہے۔ دیدۂ عبرت سے اگر دیکھا جائے تو جدت اور روایت میں کوئی جھگڑا نظر نہ آئے کہ موسم بدلتے نہیں دل اور دماغ کو ورطۂ حیرت میں رکھتے ہیں۔

ارتقاء کی منزلیں ہوتی ہیں اس کا کوئی مقام اور قیام نہیں ہوتا۔ روایت پرستی اور جدت طبع ارتقاء کی زنجیر کے حلقے ہیں۔ اس سے انسان کے دھڑکتے شب و روز بدلتے ماہ و سال اور گزری و آنے والی صدیوں کے فکر و نظر کی جھنکار سنائی دیتی ہے۔ انسان کے پاؤں میں پڑی اس زنجیر کے حلقوں میں اضافہ ہی ہوتا ہے کمی ہوتے نہیں دیکھی۔ نہ تو یہ زنجیر ٹوٹ سکتی ہے اور نہ ہی توڑی جا سکتی ہے اس لیے کہ کون و مکاں اسی لامکانی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ زندگی کے لیے تارِ نفس اور تارِ نظر ناگزیر ہیں۔ نظر سے نظر ملتی ہے اور نفس نفس سے چلتا ہے۔ روایت سے جدت جنم لیتی ہے اور جدت روایت میں سما جاتی ہے۔ یہی زندگی ہے اور اسی کشمکش سے زندگی میں تنوع پیدا ہوتا ہے۔ اسی سے زندگی کی نشو و نما ہوتی ہے اور یقیناً ادب زندگی سے جدا نہیں اور انسان کے بغیر زندگی کا تصور ممکن نہیں!

میری شاعری میرے دل کی آواز اور میرے دماغ کی پرواز ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ ہر اس انسان کی سوچ اور دھڑکن کی ترجمانی کرے گی جو دل و دماغ رکھتا ہے۔ دل کے داغوں سے روایت کے چمن میں بہار آئے یا نہ آئے لیکن ممکن نہیں کہ بدن دریدہ جدت کا دامن ان داغوں کی تازگی اور رنگینی سے بچ سکے۔ زندگی کی خزاں میں جب یہ داغ رنگ لاتے ہیں تو بہاریں آ ہی جاتی ہیں۔ تب خزاں کی جدت بہاروں کی روایت بن کر کھل اٹھتی ہے اور پھر نئی روش کے گلہائے رنگا رنگ سوختہ دلوں پر شبنمی پھواریں برسانے لگتے ہیں اور خرد کے فتنے نقش بہ دیوار ہو کر رہ جاتے ہیں کہ درحقیقت جدت اور روایت کے فساد کی جڑ اور اصل یہی ہیں۔

اپنے آپ کو شاعر سمجھنا اُن لوگوں پر یقیناً زیادتی ہو گی جو حقیقت میں شاعر ہیں۔ لیکن اس دل کے ہاتھوں ایسا مجبور ہوا کہ شعر کہنے کی جسارت کر بیٹھا۔ بہ حالتِ دگر کبھی ایسی جرأت نہ کرتا اور نہ ہی آج رسوا ہوتا۔ شاعروں کے نصیب میں آج کل سوائے رسوائی کے اور کچھ بھی نہیں۔ ماضی کی باتیں آپ سے ڈھکی چھپی نہیں۔ حال ظاہر ہے مستقبل کی خدا جانے کہ بادی النظر میں روشن نہیں۔ صاحبِ درک کہتے ہیں کہ روشنی دن بدن کم ہوتی

جا رہی ہے اور چاند کی ٹھنڈک بڑھتی جا رہی ہے۔ گویا یہ سب بے چینی کی باتیں ہیں لیکن ایک بات تسلی کی ضرور ہے اور وہ یہ کہ تاریکی میں رسوائی کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ جانتے ہوئے بھی کیا کیا جائے اس دل کا کہ چین پھر بھی اسے نہیں مل پاتا اس لیے کہ ساتھ ساتھ بصیرت اور بصارت کے درجے بھی تو گرنے لگتے ہیں۔ لیکن اگر لہو میں آگ اور دل میں خورشید جلتے ہوں تو دماغ سدا روشن رہتا ہے۔ دھڑکن لگی رہے تو یہ درد یہ غم یہ داغ زندگی بن جاتے ہیں۔ دلوں پر جب تک چوٹیں لگتی رہیں گی، خیالوں، حقیقتوں اور یادوں کے موتی لفظوں میں ڈھل کر صفحۂ ہستی پر نور بکھرتے رہیں گے کہ فنِ سخن کی معراج بھی عزّت نہیں رسوائی ہے۔ ہر دور نے یہی دیا ہے اور یہی دے گا۔ یہاں پر میں اُن معدودے چند خوش بختوں اور بانصیبوں کا ذکر نہیں کر رہا جن کا قلم قسمت پر حاوی رہا۔ بہت سے روایت بن چکے ہیں۔ چند آج بھی جدّت کے چکّر میں ہیں۔

مجھ جیسے شاعروں کے نسب و نام اور حسب و حال کی ترجمانی غالبؔ سے بہتر اور کوئی نہیں کر پائے گا۔ یہ مجھے سو سال کے بعد معلوم ہوا۔ کئی مجھ جیسے میرے بعد بھی ہوں گے جو سو سال بعد بھی یہی کہیں گے ؎

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزّت نہیں مجھے

دل نواز دل

بے عہد دوستوں کی تمنا کریں گے جو
ترسیں گے دوستوں کو زمانے میں عمر بھر

بے داغ چاہتے ہیں جو لکھنا کوئی کتاب
کیا کچھ رقم کریں گے نہ سادہ زمین پر

ہر چاکِ برگِ گُل کا دکھاتے رہیں گے ہم
داغوں سے زندگی کو سجاتے رہیں گے ہم

قطعہ

سُرتار تار دامن
لَے موج موج ساحل
گُل دار دار گُلشن
دل داغ داغ ہے دل

داغ
داغ
دل

—— تزئین ——

صادقین

صعود و نزول

حمد و فغاں

اے ربِّ ذُوالجلال ہے شانِ جمال تو
کُل کائنات میں ہے تری ذات کا لہُو

کون و مکاں میں تیری صدا لامکاں میں ہُو
تیرے کرم سے ارض و سما کی ہُوئی نمُو

روشن ضمیر شبنمی رہتے ہیں رات بھر
رو رو کے دو جہاں کے اندھیرے کریں وَضُو

اِتنے دیے ہیں گردشِ ارض و سما کو رنگ
بے رنگ ہو کے رہ گئی دنیائے رنگ و بُو

بھٹکی ہُوئی نظر ہے اِسے راستہ دِکھا
رکھ لے تُو میری آبلہ پائی کی آبرُو

ملتی نہیں ہے مجھ کو مرے درد کی دوا
پاؤں ذرا سکوں تو کروں تیری جستجُو

ظاہر ہے تُو خیال میں لیکن یقیں نہیں
رکھتا ہوں تجھ کو پاس تو رہتی ہے گُو مگُو
دے اِس کو اختیار ذرا اس کی لاج رکھ
اِنسان جو بنایا ہے اپنے پہ ہُو بہُو
رقصاں ہیں برگ و بار تو ذرّے ہیں سرمدی
مے خانہ گر ہے پاس تو دے مجھ کو بھی سبُو
قادر ہے تُو جہاں پہ اگر ہر بشر غلام
ابلیس کیسے ہو گیا تیرے ہی دُو بہ دُو
فردوس سے نکال کے یہ کیوں سمجھ لیا
حسرت رہی نہ دل میں مرے کوئی آرزُو
ہے غرق اس خیال میں زاہد کا ہر گُنہ
آئی اگر نہ موج میں رحمت کی آب جُو!
گھر سے مجھے نکال کے کب اُس کو چین ہے
صدیوں سے رو رہا ہے لہُو دو جہاں کا ذُو
قہّار بھی ہے نام ترا دل کو ہے خبر
یہ علم ہو تو کیسے کرے تجھ سے گفتگُو


غزلیں

⊙

ناگن سی زباں زہر بھری میرے دہن میں
جب تک نہ کروں بات رہے زہر بدن میں

افلاک میں آوارہ و عریاں ہے مری روح
رکھتا ہوں مگر ڈھانپ کے میں جسم کفن میں

دامن سے اُلجھ جاتی ہے جب سوزنِ عیسیٰ
ہلچل سی مچا دیتی ہے پھر چرخِ کہن میں

مہ تاب کے محور میں زمیں بوڑھی ہُوئی ہے
ہوتی ہے زلیخا نو جوان اپنی لگن میں

دھڑکن کا ابھی راز کسی کو نہیں معلوم
ادراک سے گم کون و مکاں تیرے چلن میں

گلرنگ اندھیروں میں ہوئے چاک گریباں
آہوں کا دھواں پھیل گیا بزمِ چمن میں

دل خون کیے آج کئی نوکِ نظر نے
اک زہرِ ہلاہل ہے نہاں اس کی چبھن میں

میدان میں آتے ہی بپھر جاتے ہیں دریا
بل کھاتے ہی رہتے ہیں مگر کوہ و دمن میں

ہر نَفَس دھواں دار ہواؤں سے بھرا ہے
اک آگ سلگتی ہے فضاؤں کی گھٹن میں

ذرّوں کا شب و روز لہو کرتا ہے سورج
بسمل کی تڑپ دید کے قابل ہے کرن میں

تاریک فضاؤں نے کیا قتل کرن کا
بہتا ہے اجالوں کا لہو نیل گگن میں

قسمت کی لکیریں تو نہیں وقت کی قبریں
اک عمر مقدّر ہے ستاروں کے ملن میں

پاکیزہ بدن ڈھونڈتی پھرتی ہے بُری روح
جس طرح سے بھونرا ہو کوئی طوفِ سمن میں

آساں نہیں دنیا میں کہیں دل کا لگانا
مشکل ہی سے ملتا ہے کوئی یار زمن میں

اِک آہِ جگر سوز اُٹھی مشکِ غزل سے
جب قتل غزالاں کا ہُوا شہر ختن میں

جدّت کی زمیں نے تو اُگائے کئی مہتاب
اُبھرا نہ کوئی شعلہ بیاں بزمِ سخن میں

اُلفت کا صلہ آج بھی ہے خونِ تمنّا
ملتا ہے سکوں آج فقط دل کی جلن میں

○

ہم کو تو ملیں اپنے گُناہوں کی سزائیں
اے گردشِ دوراں تجھے سب حال سُنائیں

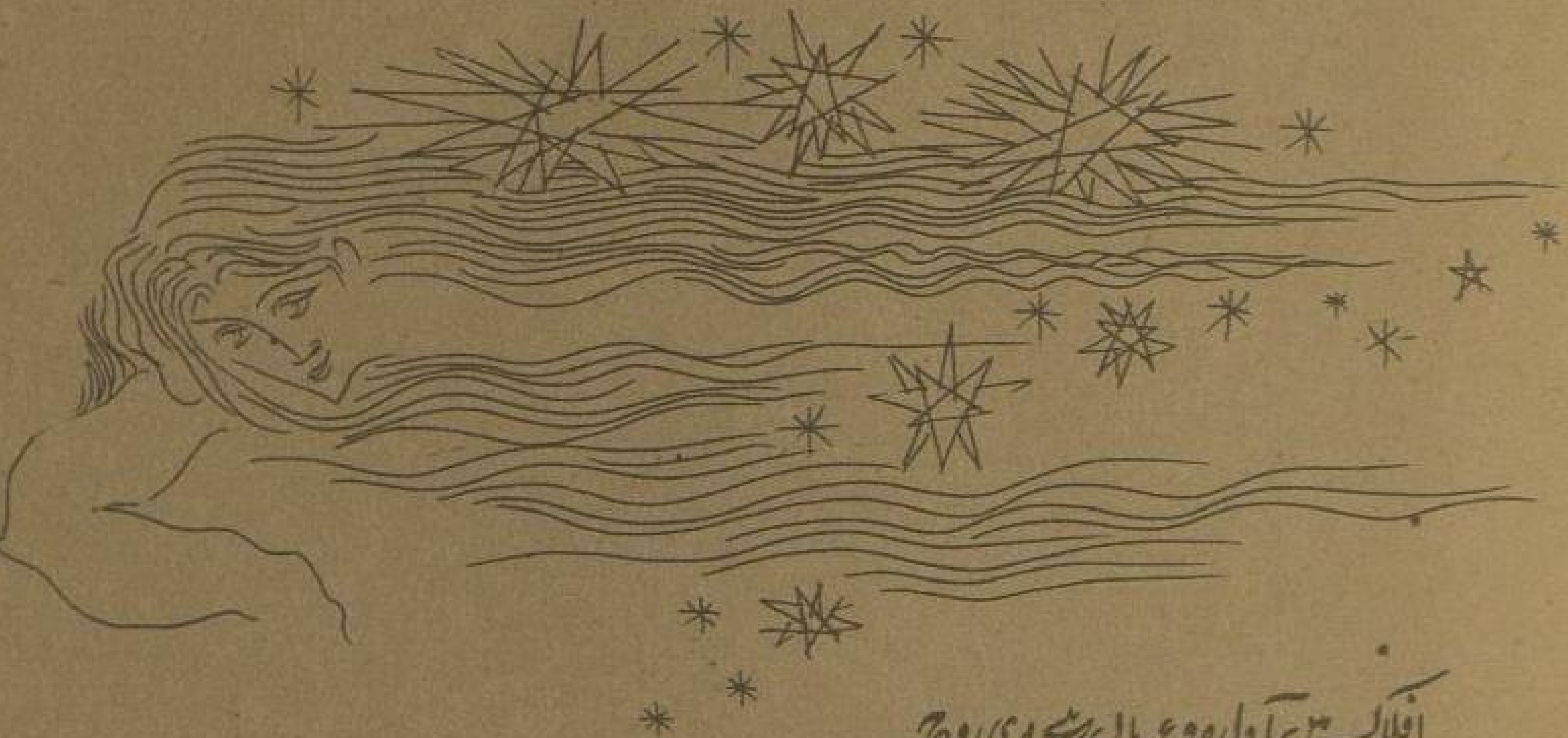
مے خانے جواں جسمِ بُتاں ساغر و مینا
بکھرے ہُوئے شیشوں سے تھیں رنگین فضائیں

زلفوں کی گھنی چھاؤں میں گم رہ کے نہ دیکھا
اِک برقِ بلا سینے میں رکھتی ہیں گھٹائیں

لیلیٰ کی نگاہوں میں سکوں ڈھونڈنے والے
سُنتے نہیں کیا آج بھی مجنوں کی صدائیں

ہے عالمِ خود بینی میں انسان جنونی
جلتے ہُوئے سانسوں کے بگُولے ہیں ہوائیں

نظروں میں ہیں بربادی کے بے درد اندھیرے
آنسو نہ لہُو دل میں دیے کیسے جلائیں



افلاک میں آوارہ و عریاں ہے مری روح
رکھتا ہوں مگر ڈھانپ کے میں جسم کفن میں



قبروں پہ دیے آج نہ اشکوں سے چراغاں
اللہ یہ کیسی ہے مری شامِ غریباں

سرسبز اُجالوں میں ہیں بکھری ہُوئی کلیاں
خونی ہے ترا دامنِ صد چاک بہاراں

جلتے ہُوئے جنگل میں ہیں سہمے ہُوئے پنچھی
پھرتے ہیں اندھیروں میں کئی لوگ پریشاں

راتوں کی سیاہی میں چمکتے ہیں ستارے
دن کے ہے مقدّر میں فقط دیدۂ حیراں

مانا ترے پہلو میں ہیں بیٹھے ہُوئے قاتل
اپنا بھی کبھی خون بھرا دیکھو گریباں

دُنیا کی ہنسی میں ہے نہاں طنز کی تلخی
آمادۂ پیکار نہیں پھر بھی مسلماں

سُوکھے ہُوئے پیڑوں کی سدا روتی ہیں شاخیں
پتّوں کے بناں سارا چمن جلتا ہے عریاں

سورج نے سرِ شام بھریں خون سے جھیلیں
روتی ہے شبِ تار لہُو نوچ کے مژگاں

ہر نفس میں خود کامی کے ساگر کا تلاطم
ساحل سے بہت دُور ہی دم توڑیں گے طوفاں

ہر سمت نظر آتے ہیں بے رنگ سے چہرے
حسرت بھری آنکھوں میں ہیں سوئے ہُوئے ارماں

ہر چیز میسّر ہے بجز دل کی تڑپ کے
آباد ہے گھر میرا اگر بے سر و ساماں

○

اس قدر ہیں زندگی کی آنکھ میں رعنائیاں
دیکھتا ہے کون دامن میں پڑی رُسوائیاں

مُسکرائیں چاند تارے سنگدل ہیں گُلبدن
رو رہی ہیں شام سے شبنم مری تنہائیاں

آنسوؤں کی غم کے ساگر پر مچلتی ہے پھوار
ہر صدف کو زندگی دینے لگی گہرائیاں

گنبدوں کی گونج ان میں چوڑیوں کی ہے کھنک
ہیں مقدّس کس قدر بھرپور یہ انگڑائیاں

دُلہنیں اک رات کی تڑپیں سنہری سیج پر
درد میں ڈوبی ہُوئی ہیں چیختی شہنائیاں

سامنے انسانیت کے عقل کا خون ہوگیا
ہوشمندوں کی جنوں نے چھین لی بینائیاں

آرزوؤں کے چمن میں ہے بہاروں کا گزُر
پھُول کھِلتے ہی دھڑکتی ہیں یہاں پرچھائیاں

بے وفائی کے صِلے میں جن کو منزل مل گئی
دل اُنھیں پیش آئی ہیں ہر گام پر پسپائیاں

○

اشکوں کے سوا کچھ نہ رہا پاس ہمارے
بے نور نگاہوں سے بہے خون کے دھارے

ساقی تیری نظروں نے یہ مے خانہ اُجاڑا
ٹوٹے ہُوئے شیشوں میں لرزتے ہیں ستارے

جسموں کو جلا کر بھی مٹا سکتے نہیں ہم
یہ داغ جو دامن پہ لگے آج ہمارے

بھیگی ہُوئی زلفوں نے جلا ڈالے نشیمن
گھنگھور گھٹاؤں سے برستے ہیں شرارے

دنیا کے بدلتے ہُوئے تیور رہیں تنہا ہی
جُھولوں میں تغافل کے ہیں سب راج دُلارے

پھولوں میں نہ خوشبُو ہے نہ کچھ رنگ میں شوخی
آئی ہیں بہاریں لیے بے کیف نظارے

مے مست نظر ساقی و ساغر کے بھروسے
اور ہوش گنوا بیٹھے ہیں کچھ لوگ بچارے

لُوٹا میری دنیا کو چمن جس نے اُجاڑا
جیتے ہیں اُسی ایک ستم گر کے سہارے

چلمن سے اُدھر درد بھری روتی ہیں آنکھیں
بازار سے گزرو تو کریں ہنس کے اشارے

ظالم نہ کبھی لَوٹ کے آئیں گی وہ گھڑیاں
اے عظمتِ رفتہ تجھے دلؔ کیسے پُکارے

دکھ درد کے دریاؤں کی گرداب ہیں آنکھیں
دلؔ غرقِ نظر جو ہیں نہ دیکھیں کے کنارے

○

ساقی چھوٹا بوتل خالی ٹوٹ گیا پیمانہ بھی
دل کو دھوکا دے گئیں نظریں ڈوبا یہ مے خانہ بھی

اپنے تن کو آگ لگا کر شمع نے کی ہے شب روشن
شب کے دامن میں چنگاری ڈال گیا پروانہ بھی

جب تک آنکھوں میں تھی شبنم نکھرے باغ نظر میں تھے
اُجڑیں جب سے پیاسی آنکھیں پھیل گیا ویرانہ بھی

مانگ رہا ہوں بھیک اُٹھا کر اپنے ہاتھوں سے دُنیا
میری حالت پہ ہنستا ہے اپنا بھی بیگانہ بھی

سوچ زبان زمیں پر قابو اِن کے بس کی بات نہیں
آج غزل میں کہہ جاتے ہیں نظم بھی اور افسانہ بھی

کچی قبروں والے رو رو بستی بستی مانگیں بھیک
جن کی مرمر کی ہیں قبریں جاں بھی لیں نذرانہ بھی

طُور تجلّی سے جلتا ہے اپنا خون جلے تو دلؔ!
بن جاتا ہے کعبہ اک دن صدیوں کا بُت خانہ بھی

جو ہیں اپنے ہوش پہ نازاں مالک وہ مے خانوں کے
توڑ دیے دل پھر کیوں ساغر سوچ میں ہے دیوانہ بھی

○

دور اشکوں سے کہاں ہوتی ہے شب کی تیرگی
خونِ دل سے ہو رہی ہے اس جہاں میں روشنی

چشمِ بینا سے برستی ہے ستاروں کی ضیا
تیرگی ہے دیدۂ حیرت کی یکسر دیدنی

ظلمتوں کی رات میں تھا چاند گہنایا ہُوا
داغ کلیوں کو جنم کے دے رہی تھی چاندنی

گُل کھِلا کے میری دُنیا سے بہاریں جا چکیں
لے چلی پتّے خزاں کانٹوں بھری ہے زندگی

ساگروں کے ساحلوں پر تشنہ لب ذرّے اُڑیں
آگ ہو دل میں تو پھر بجھتی نہیں ہے تشنگی

گنبدوں کی گونج میں گم ہو گئی اپنی سحر
بُت پرستوں کے چمکتے ہیں نشانِ بندگی

زندگی بھر نغمگی کو ہم ترستے ہی رہے
ناچتی ہے دیوتاؤں کی نظر میں راگنی

ہم سمجھ کر جن کو اپنا حالِ دل کہتے رہے
خون کر کے دھڑکنوں کا وہ نبھائیں دوستی

میری دُنیا کے نئے سُورج بھی گہنائے ہُوئے
اے فلک ہم سے تو ہے تیری پرانی دُشمنی

رو رہا ہُوں آج دریا میں گھرا گرداب میں
ہنس رہی ہے ساری دُنیا دیکھ میری بے بسی

نوک پر کانٹوں کے تازہ تر ہیں قطرے خون کے
سوزنِ گلچیں نے پائی چیر کے دل تازگی

○

مجبوریوں کی آگ میں ہے دل گھِرا ہُوا
میری نظر کے سامنے جلتا ہے گھر مرا

کیسی ملن کی رات ہے یہ اے مرے خدا
بازو کٹے ہُوئے ہیں مرے سر جھکا ہُوا

ایسی چلی چلمن میں یہ نفرت بھری ہَوا
ہر گل کی آنکھ سے ہے ٹپکتا لہُو مرا

میں مُبتلائے عشقِ جہاں سوز ہوں مجھے
ملتی نہیں ہے حُسنِ نظر کی کہیں دوا

شامل بدن کے جرم میں تھی میری روح بھی
شاید یہ زندگی ہے اُسی جُرم کی سزا

آنکھوں میں نفرتوں کے چراغاں کو دیکھ کر
بجھنے لگا ہے میری محبّت کا بھی دیا

گُم ہو گیا ہوں اپنے بدن کے سُراغ میں
اے چشمِ نیم باز مجھے دے مرا پتا

دامن پہ آج اپنے لہُو ہی کے داغ ہیں
دل نے جگر کے داغ کا دھڑکن سے خوں کیا

○

دل کا عالم کتنا خونی سُرخ زمانے کے نیرنگ
بدلی دیکھ دھنش کی دنیا شوخ نگاہوں کے سب رنگ

ہر شیشے میں ایک ہی صورت ہر صورت اک شیشہ ہے
کیسے آج بچاؤں سر کو چہرہ چہرہ خشت و سنگ

بازاروں میں ناچ رہے ہیں سوچ کے گھنگھرو باندھ کے لوگ
دولت شہرت کے سب بُھوکے بیچ رہے ہیں نام و ننگ

رنگ و بُو کے یہ دیوانے لوگ بنے ٹیڑھی محراب
جُھک جاتے ہیں بُت کے آگے دیکھ نظر کے کومل انگ

اُلجھی اُلجھی سب کی سوچیں بہکے بہکے سب کے پاؤں
آج خرد کے زرد بدن پر دل کا دامن کتنا تنگ

○

ابرِ رحمت قطرہ قطرہ   آنکھیں روئیں دریا دریا
ٹھنڈی گندی گلیاں روشن   گھنگھرو باجیں قریہ قریہ
ہر سُو آگ لگی ہے دیکھو   ابر دھوئیں کا گہرا گہرا
ہر صورت سے وحشت برسے   بھوکا وحشی چہرہ چہرہ
گہری نیلی جھیلیں ساکن   غم کا ساگر ٹھہرا ٹھہرا
اُونچی نفرت کی دیواریں   سائے پھیلے صحرا صحرا

ذرّوں سے ہے روشن دنیا
دل سُورج ہے ذرّہ ذرہ

○

کھلے جب رنگ تو سوئے چمن آئی فضا ٹھہری
اُڑا کر لے گئی خوشبوئے دل چلتی ہوا ٹھہری

نظر کا سلسلہ ہے تیلیوں کی نم سیاہی سے
نگاہِ دہر لیکن دل کے داغوں پر ہی آ ٹھہری

لرز اُٹھتی ہیں شاخیں جب گلوں کا خون ہوتا ہے
تڑپنا دار پر اب ہر کلی کی اک ادا ٹھہری

نظر کی بے دلی دیکھو سکوتِ مرگ طاری ہے
عجب ہے رنگ گلشن کا ہوا ٹھہری فضا ٹھہری

صبا لے کر چلی گلشن سے اب طرزِ فغاں میری
کلی چٹکی مگر ہونٹوں پہ دل کی ہی صدا ٹھہری

کرن کی دھڑکنوں سے میں نے سیکھی ہے ضیاباری
تڑپ دل کے سخن کی سارے عالم سے جدا ٹھہری

○

پنجرے کا یہ بسمل پنچھی دنیا کو تڑپائے
ایک دیے کی لو جب لرزے کانپیں کتنے سائے

دل دریا کا بنجر سینہ ترسیں ندیاں نالے
دُنیا روٹے بن برسے اب ساون بیتا جائے

دیکھا ہے جب چاند سے ہم نے دُنیا چندا جیسی
شاید مجھ کو سینے سے اب میرا چاند لگائے

شام سویرے لاکھوں بدلے تیکھے رنگ زمانہ
اصلی رنگ ہے جو دُنیا کا مجھ کو کون دکھائے

نیلی برفانی جھیلوں کے شیشوں جیسے سپنے
پربت حیرت میں ڈوبے ہیں سورج بکھرا جائے

ارمانوں کی پیاسی لہریں ساحل پر دم توڑیں
پتھر ساحل ہنس کر دیکھے گیلی ریت جلائے

شام ڈھلے تو سورج اُترے دنیا کے ساغر میں
روز سویرے ہو کر اندھا ہر سُو آگ لگائے

نظروں نے بدنام کیا اور دل نے مجھ کو لُوٹا
بہری دنیا کو اک اندھا دل کا حال سُنائے

○

روشنی تک جائیں کیا دشوار ہے ‏ راستے میں وقت کی دیوار ہے
کیا غضب کی ساعتِ دیدار ہے ‏ چہرہ چہرہ نقش بر دیوار ہے
ٹوٹے شیشوں سے بھرا سنسار ہے ‏ جھلملاتا کانچ کا انبار ہے
جل رہا ہوں زندگی کی آگ میں ‏ میری نظروں میں مگر گلزار ہے
اپنی صورت میں ہُوا ہے گم جہاں ‏ آبِ گوہر سے نظر بے زار ہے
جو چمکتی تھی ہواؤں میں کبھی ‏ زنگ خوردہ وہ پڑی تلوار ہے
ظلمتوں میں ہو چلے مصلوب ہم ‏ اب نظر میں روشنی کی دار ہے
زندگی پر ہے قیامت کا گماں ‏ دیدنی یہ گرمیٔ بازار ہے
چلتے چلتے تھک گیا ہے آدمی ‏ بُلبلا بہتی ندی پر بار ہے
آسماں روشن ستاروں سے ہُوا ‏ بختِ اشکوں سے مرا بیدار ہے

اپنے جوہر کی نمو کے واسطے ذرّہ ذرّہ بر سر پیکار ہے
اِک اشارے کے کبھی تھے مُنتظِر اب بُلاتا وہ مجھے سو بار ہے
جو زمانے کی ہَوا کا ساتھ دے زندگی میں وہ بڑا فنکار ہے
گانے والے بن گئے ہیں تاجدار ناچتا دیکھو بھرا بازار ہے
بات سچّی تلخ ہے پر کام کی جی حضوری ہی بڑی سرکار ہے
خود خرد کا خون کر کے بے خبر
دِل تڑپنا اب ترا بے کار ہے

○

بوتل بوتل خالی کر کے سوچیں رند پُرانے
اب جو پیاس لگی ہے اس کو آئے کون بجھانے
ٹوٹ گئے ہیں ساغر سارے اُجڑا یہ مے خانہ
ساقی نے اب نظروں سے ہیں کتنے تیر چلانے
روز خیالوں کی اب اُتریں میرے دل میں پریاں
ایک حقیقت کے میں دیکھوں بنتے لاکھ فسانے
بیتے لمحے آنسو بن کر آنکھوں سے جب چھلکیں
کتنے روشن ہو جاتے ہیں دل کے داغ پرانے
کر کے وار ستم گر دل پہ کیسا پیار جتائے
جس نے لوٹا گھر کو وہ ہی آیا درد بٹانے
آنکھوں میں ہیں کتنی روشن کاجل کی تحریریں
دنیا کو یہ نظریں لوٹیں کر کے روز بہانے
دل کی حالت غیر ہوئی ہے سوچ ہوئی دیوانی
ٹوٹ گئے ہیں برسوں کے سب میرے خواب سہانے

○

بن گیا جس کا فسانہ وہ حقیقت کیا ہے
کھو گیا دشت میں مجنوں کی یہ وحشت کیا ہے

شبنمی پھول کے چہرے کی ہے رنگت نکھری
شوخ کلیوں کو بتا خون کی قیمت کیا ہے

تیری نظروں کو اندھیروں کی اگر تاب نہیں
پھر اُجالوں سے بتا تجھ کو شکایت کیا ہے

روشنی روز نئے روپ بدلتی ہے یہاں
اب زمانے میں رہی شمع کی شہرت کیا ہے

وسعتِ قلب کا رونا ہے مگر تنگ نظر
جو سمٹ جائے نظر میں وہ محبت کیا ہے

آرزو پوری ہوئی اُن سے ملی آج نظر
اَب نظر آتی ہے آنکھوں میں جو حسرت کیا ہے

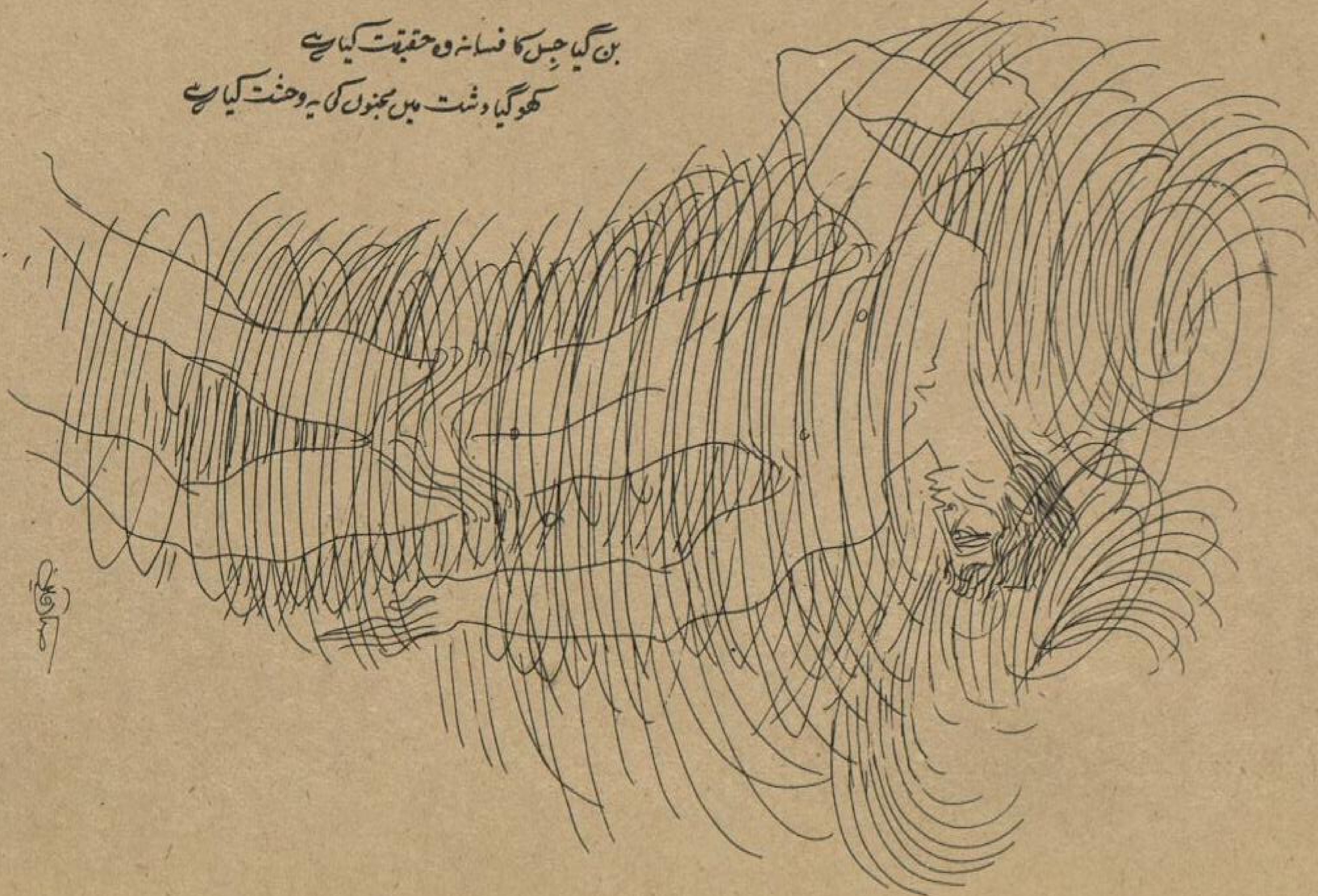
رات کے بخت میں ہے میرے ستاروں کی ضیا
ڈُوب جائے جو اُجالوں میں وہ قسمت کیا ہے

دیکھنا تارِ نَفَس تو ہے فریبِ ہستی
خاک سے پوچھ کہ انسان کی فطرت کیا ہے

خود غرض ناچتے پھرتے ہیں بگُولے ہر سُو
اے زمیں گردشِ دوراں کی یہ حالت کیا ہے

خون ہوتے ہی جگر کا یہ جہاں پائے سکون
دل تڑپنے کی الٰہی یہ مصیبت کیا ہے

بن گیا جس کا فسانہ وہ حقیقت کیا ہے
کھو گیا دشت میں مجنوں کی یہ وحشت کیا ہے



○

دریا دلوں کی آگ کھُلے پانیوں میں دیکھ
آتش فشاں کی آنچ نہیں فانیوں میں دیکھ
سونے کے تاج میں ہیں جڑے جس قدر نگین
روشن جگر کے داغ ہیں ویرانیوں میں دیکھ
نوکِ نظر سے دامنِ ہستی ہے تار تار
اُلجھا ہُوا ہوں غم کی نئی تانیوں میں دیکھ
جس دن کی روشنی سے مہکتے رہے خیال
ڈوبا ہُوا ہے رات کی وہ رانیوں میں دیکھ
اُٹھتی جوانی لائی ہے آنکھوں میں بھر کے رنگ
عقل وخرد کا خون بھی مستانیوں میں دیکھ
صیّاد آج چشمِ غزالاں کا ہے شکار
صیدِ ہوس کا حال بھی ویرانیوں میں دیکھ

میں نے اُجاڑا اپنے ہی ہاتھوں سے گلستان
عبرت یہ گھر کی بے سروسامانیوں میں دیکھ

بُنتا ہے تارِ زیست عجب نقش کا جہان
حیران زندگی ہے پریشانیوں میں دیکھ

کیا کیا ہیں گردشوں کے تری آسمان رنگ
ڈوبی زمیں ہے چاند کی حیرانیوں میں دیکھ

تیشے نے پتھروں کو دیے ہیں ہزار رنگ
پھیلا ہے سحر آنکھ کی ویرانیوں میں دیکھ

تاریکیوں میں زخمِ جگر کو ملا ہے نور
روشن ہیں داغ رات کی تابانیوں میں دیکھ

نظریں خلا میں ڈھونڈتی ہیں دل کا رازدان
دھڑکن کا بھید ڈوبتے لافانیوں میں دیکھ

گردابِ غم سے گھری ہوئی ساگروں کی سوچ
کتنے بھنور ہیں درد کی جولانیوں میں دیکھ

جن کو خلوصِ دل پہ رہا عمر بھر گمان
گم ہو کے رہ گئے ہیں وہ حقانیوں میں دیکھ

○

دفتر کھلا ہوا ہے کھلی ہے کتاب بھی
بے باق سارا آج کریں گے حساب بھی

نرگس کے ساتھ باغ میں ہیں نرگلاب بھی
آنکھوں کو شوخیاں بھی ملی ہیں شباب بھی

تجھ پہ گماں ہوا تھا مجھے اپنی ذات کا
سچا ہوا کبھی نہ یہ اک مرا خواب بھی

پہلے ب مجھے نکال نظر کے سراب سے
ہاں پھر مرے گناہ کا لے لے حساب بھی

میری نظر کے سامنے میرے عمل رہے
دیکھا گیا نہ آئینہ پی کے شراب بھی

میں کیسی ظلمتوں میں گھرا ہوں مرے خدا
سر پر چمک رہا ہے مرے آفتاب بھی

خود بیں سا اک بگولا ہے دنیا میں ہر بشر
گنبد فیروزہ رنگ بھی ہے یہ حباب بھی

جس دل کی دھڑکنوں سے تھا آباد یہ جہاں
اپنا رہا نہ آج وہ خانہ خراب بھی

بے باک سلوٹوں میں ہے غازہ بھرا ہُوا
لازم ہے کچھ تو چہرۂ نو کو حجاب بھی

ذرّوں کی دھڑکنوں سے مِلا روشنی کو دل
سُورج کی آنکھ اصل بھی ہے اک سراب بھی

مجھ کو ملی ہے میرے گناہوں کی جو سزا
شامل ہے اُس میں نیک عمل کا ثواب بھی

فکر و نظر کے بحر میں یکسر جمُود ہے
لہروں کا ساحلوں پہ چھِنا اضطراب بھی

یہ عقدۂ وحید کھُلا وقتِ جاں کنی
میرے سوال میں ہی نہاں تھا جواب بھی

دل گردشِ زمانہ میں رنگینیاں بھی ہیں
ہے زندگی حسین مگر اک عذاب بھی

○

میری دنیا ہیں وحشتیں میری — میری دولت ہیں حسرتیں میری
چہرے چہرے سے خوف آتا ہے — سب کی آنکھوں میں دہشتیں میری
آنکھیں زہراب سے میری چمکیں — رنگ لائیں گی نفرتیں میری
تیرے ملنے سے درد کم نہ ہُوا — زخمِ دل ہیں مصیبتیں میری
نام لے کر وہ میرا جیتے ہیں — مجھ کو ماریں گی شہرتیں میری
میری رگ رگ میں زہر کی مستی — رقص کرتی ہیں وحشتیں میری
دھڑکنیں دل کی مجھ کو لے ڈوبیں — جاں کی دشمن محبّتیں میری

دل سے وہ اِس قدر قریب ہُوا
کُھل گئیں سب حقیقتیں میری

○

سرخ سویرے کا اب سورج زردی مائل ہوتا جائے
ٹھنڈی کرنوں میں اک مالی زرد گلاب پروتا جائے

جلتی بھٹّی کی چمنی کا سینہ کالا ہوتا جائے
مل کا مالک کالا سینہ آب زر سے دھوتا جائے

آخر ممتا مل کر بیٹھی پیلے منہ پر غم کا غازہ
دن بھر کھیل کے بھُوکا بچّہ شام پڑے تو روتا جائے

چاندی جیسے دریاؤں میں بھوک کے دہقاں بہتے جائیں
جاگیروں کا مالک پھر بھی سونا من میں بوتا جائے

رنگ برنگے جسموں سے بھی نکلے آخر کالے سائے
دیکھ دھنک میں کون کرن کے گہرے داغ سموتا جائے

آنچ نفس کی دے کر کس نے نقش خیالوں کے بھڑکائے
ساتھ نظر کے رنگ میں عالم دل کا درد بھی کھوتا جائے

○

اُن کی دنیا کو جلایا ہے غموں کے سُورجوں نے
چاند کی آہوں کو سمجھا چاندنی جن مُورکھوں نے

دھڑکنوں کے ساز توڑے پتھّروں کی مورتوں نے
نقش ہو کر گھر جلائے چاند سی اِن صورتوں نے

غم کی تاریکی کا ہو اِحساس کیسے روشنی کو
رات کو روتے ہُوئے دیکھا ہی کب ہے اِن دنوں نے

باندھ کے گھنگھرو طوائف نے پکارا زندگی کو
چلمنوں کی اوٹ سے دی ہیں صدائیں بائیلوں نے

راستوں نے خواب تو دِکھلا دیے کچھ فاصلوں سے
نیند آنے دی کبھی مجھ کو نہ لیکن منزلوں نے

بے دلوں نے پہلے ویراں کر دیا سب بستیوں کو
پھر ڈبویا ساری دُنیا کو برس کے بادلوں نے

زخم بھرنے ہی لگے تھے جب جنوں کے آگہی سے
کاٹ کر پھر رکھ لیے ہاتھوں پہ اپنے پاگلوں نے

عمر بھر زندہ رہے ہم دوستوں کی دشمنی سے
موت کی مشکل گھڑی آسان کر دی دشمنوں نے

سارا جنگل جل رہا ہے آنسوؤں کی بارشوں سے
آشیاں میرا بہایا ہے جلا کے بجلیوں نے

ہر نظر خیرہ ہوئی بزمِ ہوس کی روشنی سے
کس قدر اندھیر پھیلایا ہے روشن محفلوں نے

ریتلے ساحل سدا رہتے ہیں پیاسے زندگی میں
موج میں ڈل آ کے لہروں کو جلایا ساگروں نے

○

خونِ دل سے میں نے سینچا گلستانِ آرزو
داغِ لالہ کی نگاہوں کو رہے کیوں جستجو

ہنس پڑے ہیں پھول گلشن میں کرن کو دیکھ کر
رات بھر روتی رہیں کلیاں لٹا کر آبرو

زندگی بھر ہم چمن کے رنگ و بو میں گم رہے
شبنمی راتوں میں اشکوں سے کریں گے اب وضو

کس نے روشن کر دیا ہے دل کے داغوں سے جہاں
کون کرتا ہے اجالوں کا اندھیروں میں لہو

ساری دنیا کی نگاہوں میں ہیں وحشی مستیاں
شام ہوتے ہی جہاں نے بھر لیے خالی سبو

دل دھڑکتا ہی رہا اُن سے نہ دل کی کہہ سکا
بے زباں اب جانے آنکھوں سے کرے کیا گفتگو

○

گہری سوچ میں ڈوب کے شیشہ بن گئی جھیل خیالوں کی
حیرت سے اب دیکھ رہا ہوں آب و تاب جمالوں کی

مست نشیلی نظروں سے بھی پی کر دیکھی سُرخ شراب
پیاس بجھی نہ پھر کچّے مٹّی کے اِن پیالوں کی

اپنی یادوں کے داغوں کو مرنا دے کر دردِ قلم
اس دنیا کو ہو گی ضرورت اک دن دیکھ حوالوں کی

اُن سے بات ہے کرنا مُشکل کر کے بات بھی ہم پچھتائے
ہر چہرے پہ ٹیڑھی شکلیں بن گئیں سخت سوالوں کی

مست نگاہوں کے دھوکے میں ایسی بازی کھیل گئے
مات سہی نہ جائے اپنے ہاتھوں بگڑی چالوں کی

سورج کر کے خون سحر کا دے گیا دن کو زرد گلاب
شام گلابی ہو جائے گی دار پہ چڑھنے والوں کی

دل کی وحشت کا جب نظریں خون کریں ویرانوں میں
صحراؤں میں دیپ جلائے پُرنم چشم غزالوں کی

کس نے کرنیں دل میں گھونپیں رنگ سویروں کا بدلا
دیکھ لہو سے آج بھری ہے اُجڑی مانگ اُجالوں کی

○

دل کی دھڑکن کہہ رہی ہے آنکھ تو لگ جائے گی
رفتہ رفتہ زندگی گم کردہ منزل پائے گی

روز و شب کی گردشوں میں کون ملتا ہے کسے
سب کو ملنے موت لیکن ایک دن آ جائے گی

خواب میں دیکھے ہیں میں نے پھول مرجھائے ہوئے
سوچتا ہوں میں چمن کو آگ کیا لگ جائے گی

اس قدر ہیں اس جہاں میں رنگ و بو کی شوخیاں
ہر کلی کچھ یوں کھلے گی موت پر مسکائے گی

جانے والے تیری باتوں کا بھروسہ کچھ نہیں
پھر بھی ہر اک بات رہ رہ کر تری تڑپائے گی

کھل رہی تھی میرے خوابوں میں کوئی سورج مکھی
کیا خبر تھی دل کو شبنم رات بھر ترسائے گی

○

روزنِ زنداں سے آخر آ گئی تنویر بھی ‏ مٹ ہی جائے گا نشانِ حلقۂ زنجیر بھی
داغ تارے زخم شعلہ بن گئے آنسو چراغ ‏ ہو گئی ناکام اندھیروں میں خلقی تدبیر بھی
بےکسوں کی آہ میں ہے آج شعلوں کا اثر ‏ آگ بھڑکے گی اگر کچھ ہو گئی تاخیر بھی
جن لکیروں پر تھے نازاں اب ہیں قبروں کی تحریر ‏ اپنے ہاتھوں سے بگڑتے دیکھ لی تقدیر بھی
صورتِ غم سے عیاں ہے زندگی کی داستاں ‏ بے زبانی کی مجسم بن گئی تصویر بھی
وقت چہروں کی سیاہی کو نمایاں کر گیا ‏ دیکھتا ہوں میں ہواؤں پر لکھی تحریر بھی
پوچھتے ہیں آسماں سے آج حیواں برملا ‏ آدمیت کی جہاں میں ہے کوئی توقیر بھی
نیند میں ہے حسنِ یزداں چاند تاروں سے پرے ‏ سارا عالم خواب اس کا خواب کی تعبیر بھی

ایک ٹکڑا ہے زمیں کا میری نظروں میں نہاں
دلؔ جلا، کھو چھین لے اَب یہ کوئی جاگیر بھی

کرن کے ساتھ شبِ تار لا رہا ہے کوئی — بدن جلا کے سحر کو دکھا رہا ہے کوئی
دکھا کے نور جو سائے میں جا رہا ہے کوئی — سکوں سے چاندنی میں گنگنا رہا ہے کوئی
چمن چمن میں نئے گل کھلا رہا ہے کوئی — دھنک دھنک سے کئی رنگ لا رہا ہے کوئی
غضب کے دھارے میں دنیا رواں ہے میری مگر — بھنور کی آنکھ سے کشتی بچا رہا ہے کوئی
نظر میں ڈوب کے سورج دلوں کا خون کرے — گلوں کی آگ پہ شبنم گرا رہا ہے کوئی
شبِ وصال میں تھی ساتھ دل کے جانِ وفا — سحر کو دیکھ کے نظریں چرا رہا ہے کوئی
بہار آئی چمن میں فغاں کا رنگ لیے — خزاں میں وقت کے نغمے سنا رہا ہے کوئی
کرن کو دیکھ کے بھُولے تھے ظلمتوں کے ستم — جلا کے شمعِ حقیقت دکھا رہا ہے کوئی
اُداس راہ میں ہے کون آہٹوں کے سوا — پلٹ کے دیکھ تو شاید بُلا رہا ہے کوئی
بلائی شمع جو دل کی تو رات ڈھلنے لگی — چراغ اُجڑے مکاں میں جلا رہا ہے کوئی
زمانے بھر کی بلیں اُس کو دولتیں جیسے — گلوں کو زیچ کے یوں مسکرا رہا ہے کوئی

گھٹن کے ساتھ زمان و مکاں کا درد بڑھا ہوا کے رخ پہ نئے گھر بنا رہا ہے کوئی
بسے ہوئے تھے جو صدیوں سے ہر نظر میں خدا گرا کے آنکھ سے کعبہ بنا رہا ہے کوئی
رواں دواں یونہی رہتا ہے زندگی کا سفر ندی میں دیکھ کے تارے یہ گا رہا ہے کوئی
یقین اپنے ستاروں پہ اس قدر بھی نہ ہو سفر سے پہلے ہی منزل دکھا رہا ہے کوئی

کریں گے نظم کہانی دلوں کی لوگ مگر
غزل میں دل کا فسانہ سنا رہا ہے کوئی

○

مرا دل آج بھی دھڑکے ہے مثلِ گُل صبا سے
عبارت زندگی ہے میرے جرموں کی سزا سے
حروفِ آگہی ہیں شبنمی اشکوں کے نغمے
خرد کے قافلے چلتے رہیں بانگِ درا سے
جنوں کے دشت میں چشمے ہیں میری ہی نظر کے
خبر دیتے ہیں سُورج کی یہ ذرّے ہی ذرا سے
نشاطِ زندگانی ہیں غموں سے ہے چراغاں
کبھی دیکھے نہ بُجھتے یہ دیے ہیں نے ہوا سے
ہزاروں سال سے ہے یہ زمیں گردش میں لیکن
محبّت کم ہُوئی پھر بھی نہ محور کے خدا سے
زمانے میں تغیّر سے نمودِ زندگی ہے
نگاہیں پھیر لیں ظالم نے کیوں ہر آشنا سے
خطا دِل سے ہُوئی تو ہو گئی آباد دُنیا
جِلا ملتی ہے چشمِ آگہی کو بھی سزا سے

کئی عالم ہیں گم میرے نشاں میں — کوئی اپنا نہیں لیکن جہاں میں

تڑپ ساگر کی سرگم میں چھپی ہے — مچلتے ہیں کئی نغمے فغاں میں

بہاروں نے دیے ہیں زخم تازہ — لہو ٹپکے گا آنکھوں سے خزاں میں

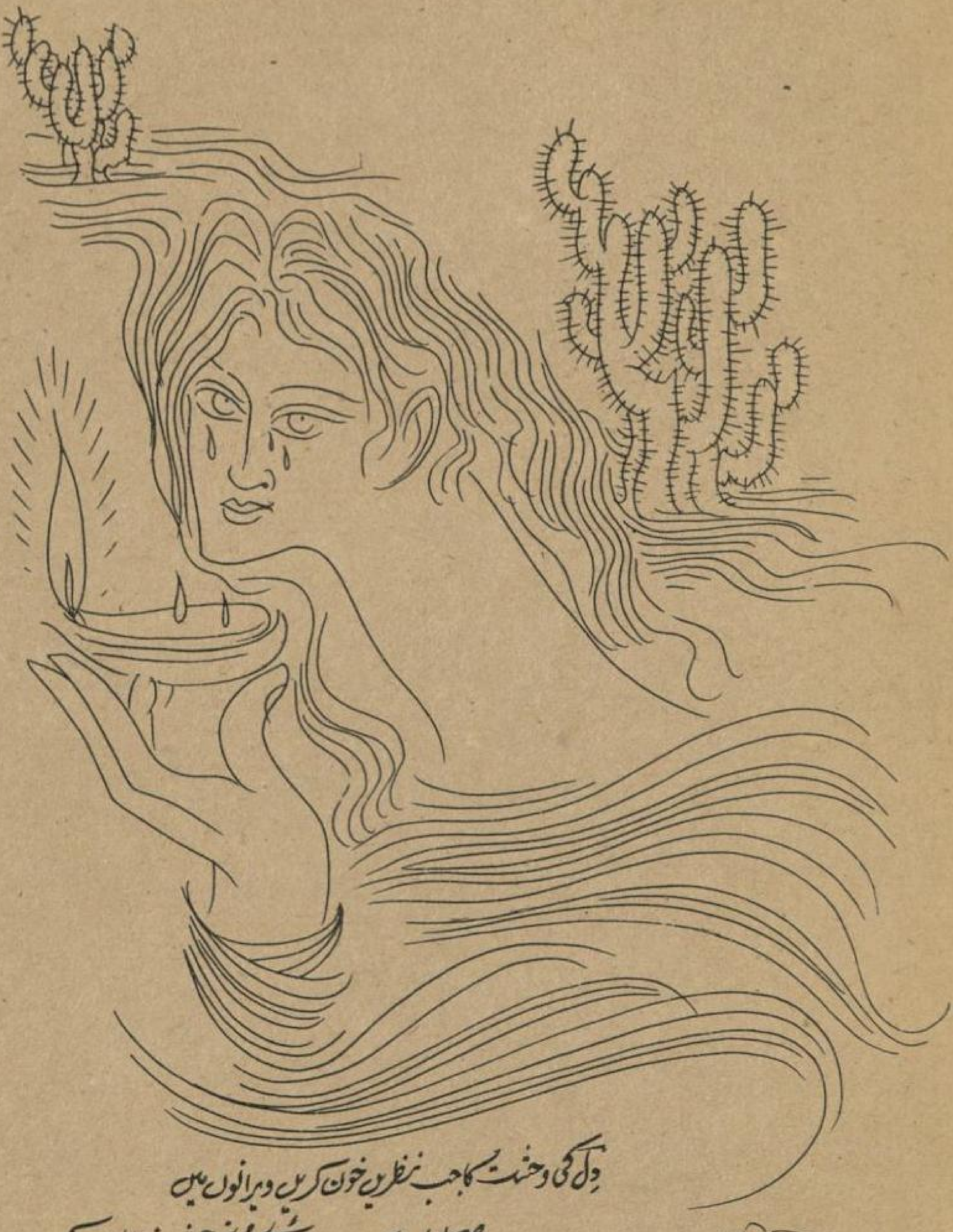
جو گھٹ جائے نظر میں اپنی توقیر — کمی کیا ہو کسی جنسِ گراں میں

تڑپتا گر نہ یہ آنسو صدف میں — گہر قطرہ تھا بحرِ بے کراں میں

حقیقت اس قدر تھی آشکارا — وہ اکثر آ گیا وہم و گماں میں

کھلی افشاں ہے زلفِ عنبریں میں — چمک میرے لہو کی کہکشاں میں

چھپا بیٹھا ہے دل میں کون میرے
صدا کس کی ہے یہ کون و مکاں میں



دل کی وحشت کا جب نظریں خون کریں ویرانوں میں
صحراوں میں دیپ جلائے پُرنم چشم غزالوں کی

صادقین

کاری ہے قلم دیکھو قدرت کی پذیرائی — تصویر بھی گویا ہے اللہ رے مسیحائی

تلوار کے ہاتھوں سے چنگیز کی رسوائی — انسان کی شہرت ہے یہ صنعتِ چغتائی

نازک سے خیالوں نے رنگوں کو ابھارا ہے — باریک لکیریں ہیں لیتی ہوئی انگڑائی

ہوں چشمِ غزالاں یا آنکھیں کسی مہوش کی — ساغر ہیں شرابوں کی مدہوش ہے گہرائی

آسان ہے رنگوں کی پہچان بڑی لیکن — اِک عمر میں ہوتی ہے مشکل سے شناسائی

رنگوں میں اگر دل کا ہو جائے لہو شامل — ڈستی نہیں پھر جاں کو ناگن سی یہ تنہائی

اِس عقل نے دُنیا کے سب نقش بگاڑے ہیں — رنگوں کی براتوں پر روتی رہی شہنائی

رنگیں ہیں دھنک سے بھی دلؔ درد کی پروازیں — محراب یہ اشکوں کی گنبد کی ہے گولائی

دلؔ ہوش کے ہاتھوں سے شہکار نہیں بنتے
فن کار کو دنیا نے اکثر کہا سودائی

○

ہو اگر چشمِ کرم نقش اذاں دیتے ہیں
بے زبانوں کو گُہر بار زباں دیتے ہیں

روشنی دیکھ سیاہی کے بدن سے پھُوٹے
یہ سیہ بخت قلم تیرا نشاں دیتے ہیں

کاغذی جسم ثناخواں جو ہُوئے تو دیکھا
رنگ لفظوں کو لہُو سوزِ بیاں دیتے ہیں

رقص کرتے ہیں نگاہوں میں ترے نقش و نگار
چشمِ بینا کو نیا روپ گماں دیتے ہیں

زندگی بھر تجھے مرمر کے تراشا میں نے
پھر بھی یہ لوگ مجھے جینے کہاں دیتے ہیں

جس کسی نے بھی لکیروں کو دیا رنگِ بیاں
بات کرنی اُسے یہ نقش کہاں دیتے ہیں

زخم ہنستے ہیں مری آہ و فغاں پر لیکن
بے زباں داغ جو دل کے ہیں دھواں دیتے ہیں

○

ٹوٹی ہوئی تسبی کے یہ آخری دانے ہیں
مٹّی سے اُٹھا کر جو آنکھوں سے لگانے ہیں

بادل نے ستارے جو آنکھوں سے چُھپائے تھے
بھیگی ہوئی راتوں کی پلکوں پہ سجانے ہیں

اے موجِ کرم لے چل اُمّید کے ساحل پر
ارمانوں کے دو موتی ہیں نے بھی اُٹھانے ہیں

آنکھوں پہ نہیں قابو دل بھی نہیں کچھ بس میں
روشن ہے جہاں کیسے ہونٹوں پہ ترانے ہیں!

دھڑکن میں ہے نغموں کا کچھ ایسا چراغاں سا
کہتی ہے نظر مجھ سے کیا دیپ جلانے ہیں!

کہتی ہے صبا پاگل روکے نہ کوئی مجھ کو
بچھڑے ہوئے برسوں کے دل میں نے ملانے ہیں

نوٹ : اس غزل میں قافیے کا سُقم میری رائے میں دُرست

○

طوفان تھے بلا کے مگر ساحلوں کی موت
ہر بار زندگی کو نئی لہر دے گئی

برسی گھٹائیں کیسی الٰہی یہ اس برس
ہر اک صدف کو آب گُہر زہر دے گئی

اُجڑے دلوں کے گاؤں تو سائے سمٹ گئے
دیوار نفرتوں کے نئے شہر دے گئی

سرسبز وادیوں میں جلے خون کے چراغ
آنسو لہو کے شام کو دوپہر دے گئی

چہرے پہ کس نے وقت کے یہ خون مَل دیا
صدیوں کی شام درد کی اک لہر دے گئی

نبضوں کے ساتھ ڈوب گئیں دل کی دھڑکن
بے درد موج درد کا اک بحر دے گئی

ہر زباں پر آگئی آخر حکایت آپ کی
بے زبانوں پر غضب ہے یہ عنایت آپ کی

گونجتی ہے گنبدوں میں آپ کی شہرت بڑی
کون منبر پر کرے گا اب شکایت آپ کی

دین و دنیا میں بڑا چرچا ہے جن کے نام کا
کیا خبر اُن کو کہاں تک ہے ولایت آپ کی

اک حقیقت کے یہاں کتنے فسانے بن گئے
کس قدر سچی ہے اب تک یہ روایت آپ کی

میرے زخموں کو ملی ہے اک عجب سی تازگی
مہربانی آپ کی ہے یہ رعایت آپ کی

کارواں کو لوٹتی ہیں راستوں کی منزلیں
دشتِ دل میں رہ گئی آخر ہدایت آپ کی

○

تیری یادوں کے چراغوں کو بجھاؤں کیسے
داغ بے درد زمانے سے چھپاؤں کیسے

ہر طرف ایسی اُداسی کے مکاں دشت بنے
وحشتِ دل بھی ہے دیوار گراؤں کیسے

میری آنکھوں میں چُبھے آج بھی شیشے ہیں کئی
تیری راہوں میں نگاہوں کو بچھاؤں کیسے

چھین کے لے ہی گئی اب کے خزاں میری نظر
خون کے اشک بہاروں پہ بہاؤں کیسے

تیری آنکھوں میں ہے نصُرت کے ستاروں کی ضیا
جُھک گئیں شرم سے نظریں جو اُٹھاؤں کیسے

میری آواز بھی ماضی کے چلن لیتے گئے
چل گیا چال سماں اُس کو بُلاؤں کیسے

سامنے دیکھ کے منزل کو ہے دل بے قابو
ہم سفر بچھڑے تھے جو اُن کو بھلاؤں کیسے

دے رہا ہوں میں صدا شیشے کے ایوانوں میں
در و دیوار کے سایوں کو جگاؤں کیسے

جل گیا خون مرا اشک بھی آنکھوں میں نہیں
رُوٹھنے والے بتا تجھ کو مناؤں کیسے

لیلیٰ ابرِ شب کے اندھیروں پہ ہُوا قیس فدا
میں دیے ہوش کے راتوں میں جلاؤں کیسے

ابرِ نیساں کی تڑپ بن کے گھُر بکنے لگی
دولتِ دل ہے یہی درد لٹاؤں کیسے

بن گئے سنگ یہ شیشے بھی تجھے دیکھ کے دل
عکس حیران کہ اب تجھ کو رُلاؤں کیسے

○

کون اُترا ہے دلوں میں دھڑکنوں کے شور پر
ہو گئے روشن ستارے زندگی کی کور پر

گردشِ افلاک میں دنیا ہماری دفن ہے
جانے کب سے رو رہے ہیں ماہ و انجم گور پر

چوری چوری دل چُرا کر چھپ گیا نظروں سے چاند
آ گیا دل چاندنی میں دھڑکنوں کے چور پر

ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے پھر بھی دیکھیے
آدمی ہے کس قدر نازاں خرد کے زور پر

چاند تاروں کی ملک چادر چڑھا کر چل دیے
جانے کب تک روئیں گے ہم آسماں کی گور پر

لے چلا ہوں میں ہواؤں سے بلند اپنی پتنگ
کٹ رہی ہے زندگی سانسوں کی کچّی ڈور پر

ناچنے والوں کی چاندی ہو گئی برسات میں
برق ٹوٹی جنگلوں میں رقص کرتے مور پر

ماہ و انجم کے نظارے ایک دن دیکھے گا دل
آدمی نکلے گا محور سے لگن کے زور پر

نکلے ہیں شرر پاؤں کی زنجیر سے آخر
آزاد ہوئے زلفِ گرہ گیر سے آخر

دن رات جلاتا ہے جنھیں درد کا سورج
وہ چاند ہوئے آتشِ دل گیر سے آخر

ٹوٹے ہوئے شیشے میں بکھر جاتی ہے صورت
بن جاتی ہے بگڑی ہوئی تقدیر سے آخر

اک عہد اُجڑ جاتا ہے تقدیر کے ہاتھوں
ہر نقش نیا اُبھرا ہے شمشیر سے آخر

ملتے ہی پلا جاتی ہیں جادو بھرے ساغر
نظروں کا سحر ٹوٹا ہے تنویر سے آخر

گمنام کئی گزرے زمانے سے سخن ور
بدنام ہوئے شعر کی تشہیر سے آخر

ہم لوح و قلم رکھتے ہیں نظروں سے چھپا کر
تقدیر عیاں ہوتی ہے تحریر سے آخر

ڈستی ہے جنھیں حسنِ گلو سوز کی ناگن
پاتے ہیں شفا زہر کی تاثیر سے آخر

ہر ایک صدف قطرۂ نیساں کی طلب گار
ہر آنکھ گہر بار ہے تعبیر سے آخر

اب خون رُلاتے ہیں مصوّر کو سبھی رنگ
دل ٹوٹ گیا شوخیٔ تصویر سے آخر

○

تسکیں سے مرے دل کو لگا چاند جلانے
پھیلا ہے دھواں چاندنی راتوں کے بہانے

شیشوں میں نظر آتی ہیں گزری ہوئی گھڑیاں
ڈھونڈیں ہیں نگاہیں مری اشکوں میں زمانے

سُلگے ہیں اندھیروں میں بہت درد کے مارے
پروانے اُٹھے شمع کی اب آگ بُجھانے

اُمّید کرن بن کے رہے جن کی نظر میں
ظلمت کو وہی لوگ لگاتے ہیں ٹھکانے

شبنم تو ستاروں کو رہی رات رُلاتی
ہوتے ہی سحر پھُول لگے رنگ جمانے

جینے کا بھی ارمان ہے مرنے کی تمنّا
یہ تیرا ستم ہے کہ کرم کون یہ جانے

محمل میں اندھیروں کے سِوا کچھ بھی نہیں ہے
لیلیٰ تو نظر آتی ہے ذرّوں میں دوانے

جلنے سے چراغوں کے ملی رات کو دھڑکن
روشن جو ہوئے غم تو لگے آنکھ ملانے

راتوں کی سیاہی بھی نکھر جائے گی اِک دن
پلکوں پہ ستاروں کو لگا کوئی سجانے

صدیوں سے چڑھا دار پہ انسان ہے زندہ
آئی نہ اِسے موت بھی سینے سے لگانے

دُنیا سے کبھی بات نہ دُکھ درد کی کرنا
بن جاتے ہیں دل تلخ حقیقت کے فسانے

○

بدنام بڑے آج بھی دنیا میں ہیں بد سے
بڑھتے ہی گئے زہرہ جبیں چاند کی حد سے

نظروں کے اشاروں میں چھپے بھید ہزاروں
جب راز کھلے ان کے تو مدہوش تھے مد سے

اُس وقت مجھے تھام لیا میرے جنوں نے
جب سوچ کی عریانی بڑھی ہوش کے قد سے

اِک روز بلندی سے خودی پُوچھ رہی تھی
پہچان ذرا کِس کی صدا آئی لحد سے

بجھتا نہ کبھی عمر تلک تجھ سے زمانے
ٹوٹا ہے مرے دل کا دیا اپنی ہی زد سے

تشدید کریں حرف تو دیتے ہیں دُہائی
ہوتے ہیں جُدا روح و بدن ایک ہی شد سے

دل کی تو نظر عقل کا خوں کر کے رہے گی
ڈرتے ہیں مگر اہل نظر اپنی خرد سے

ہے ترتیب لوح و قلم زندگی — یہ تحریر تقدیر لیکن نہیں
دُکھوں سے عبارت ہے یہ زندگی — زمانے میں کوئی بشر خوش نہیں
اِن آنکھوں سے جاتی نہیں ہے نمی — جو جھیلیں بہیں تو یہ نکھرے زمیں
صلیبوں پہ لٹکے ہُوئے ہیں مسیح — ہیں زندہ مکانوں میں کتنے مکیں
اِن آنکھوں سے بہتے ہیں آنسو بہت — مرے ہم سفر ہیں مرے ہم نشیں
بہایا ہے لوگوں نے اپنا لہو — ہے رشتوں کے بندھن نہ خوں پر یقیں
تری آرزو ہے تری جستجو — ہے آنکھوں میں دنیا خیالوں میں دیں
مرے آبلے ہیں مری منزلیں — کسی راہ میں اب تو کانٹے نہیں
غموں سے اگر رات کالی نہ ہو — ستاروں سے کوئی نہ چمکے جبیں
محبت سے گر یہ دھڑکتے ہیں دل — تو نفرت نگاہوں میں بھی کم نہیں
اگر ہے یہ دنیا سرائے تو پھر — یقیں کر کہ منزل بھی ہوگی کہیں
جو شبنم نے تازہ کیے گلبدن — تو اشکوں نے بھی کچھ تراشے نگیں
کیے ہیں فرشتوں نے سجدے اسے — ہے کس درجہ انسان روشن جبیں

نگاہوں میں دل کو چھپا کر رکھو
بچھڑ جائے ساتھی تو ملتا نہیں

○

ہو گیا گر مجھ پہ میرا محرمِ دل مہرباں
پھر نہ میری دھڑکنوں کی کوئی سمجھے گا زباں

ساغروں میں ڈوب کے اُبھری مری محرومیاں
دیکھ نظریں کہہ رہی ہیں زندگی کی داستاں

گردشِ دوراں کا دنیا سے کروں میں کیوں گلہ
تجھ سے پیارا ہو گا اپنا کون دشمن آسماں

عقل کی کچھ بات کر کچھ ہوش کی بھی لے خبر
اے دوانے چاک دامن دشتِ دل کے پاسباں

بے زبانی کے فسانے کس قدر ہیں مختصر
مختصر سی زندگی کی اتنی لمبی داستاں

دیکھ نظروں پر بھروسہ کرنے والے لُٹ گئے
اشک آنکھوں کے کبھی ہوتے نہیں ہیں رازداں

شبنمی راتیں تو ساری آنسوؤں میں ڈھل گئیں
اے سحراب مسکرانے کی مجھے فرصت کہاں

بجلیوں سے کیوں گلہ ہو جو گیوں کو اے فلک
راکھ جسموں پر ملیں گے جل گیا جو آشناں

تیز کتنی آرزوؤں کی نظر میں دُھوپ ہے
سائے سائے چل رہا ہے حسرتوں کا کارواں

خون ہوتا ہے جگر کا آسماں گلرنگ ہے
شام کی نظروں میں ہے دل کے تڑپنے کا سماں

○

جسم و جاں پر گراں گزرتی ہے
رات جانے کہاں گزرتی ہے

داغ دامن پہ ہیں بہاروں کے
پاک دامن خزاں گزرتی ہے

آنے والی گھٹا کا اے دنیا
دے کے آندھی نشاں گزرتی ہے

رونے والے زمیں کی گردش پر
تجھ پہ کیا آسماں گزرتی ہے

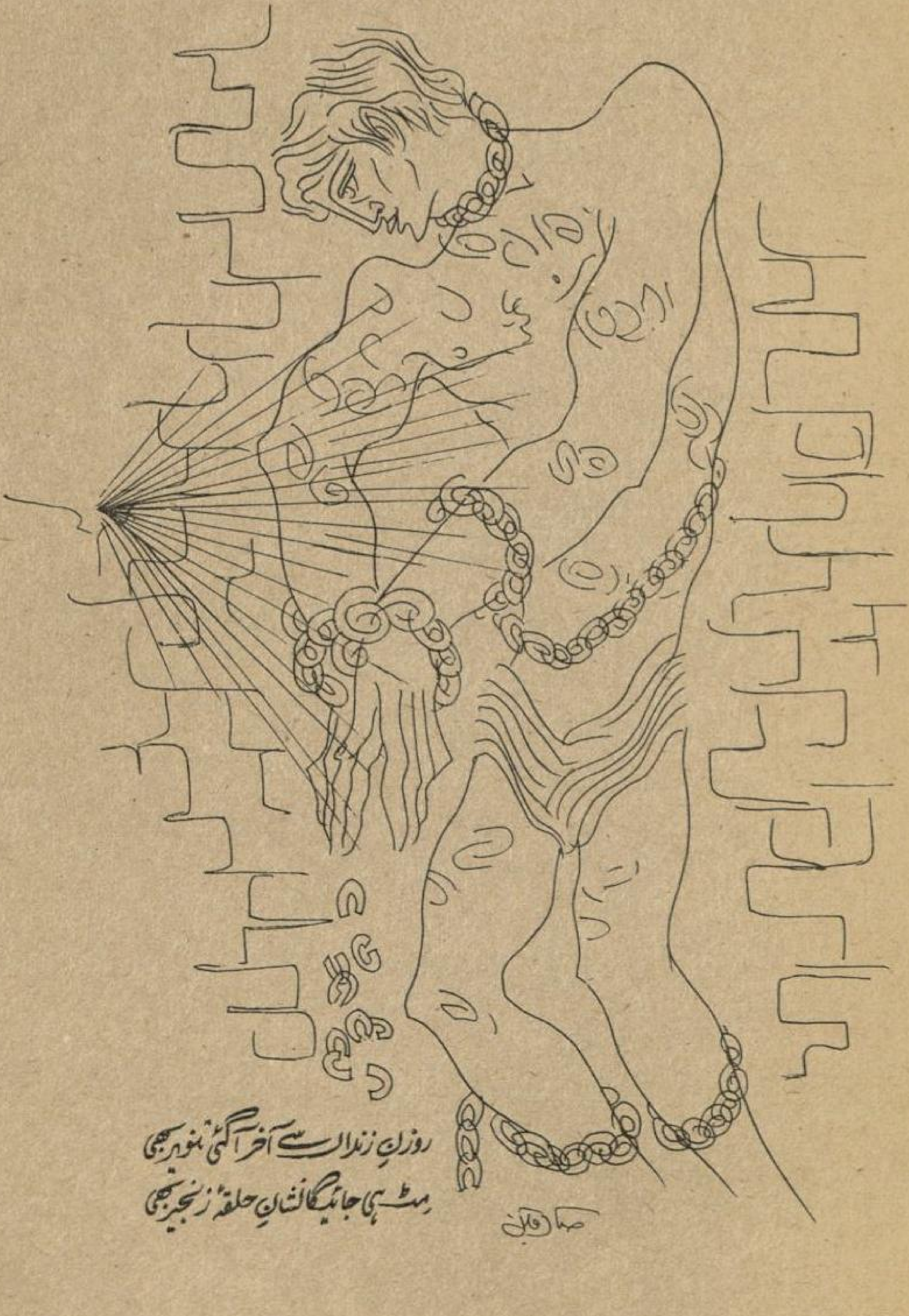
مرگ و ہستی کا ہے یقیں لیکن
زندگی درمیاں گزرتی ہے

رات روتی تھی نرم کلیوں پر
اب صبا نوحہ خواں گزرتی ہے

زندگی کی حسین گلیوں میں
موت کتنی جواں گزرتی ہے

موت کے بے کراں اندھیرے سے
ہستی جاوداں گزرتی ہے

دل میں ہے تیری آرزو روشن
شام حسرت کہاں گزرتی ہے



روزنِ زنداں سے آخر آگئی تنویر بھی
مٹ ہی جائیگا نشانِ حلقۂ زنجیر بھی

○

انساں کی سوچوں کو ظالم دنیا دیکھو زہر پلائے
بے دردی ہے جگ یہ سارا کیسے کیسے قہر کمائے

جن کی نظروں میں تھے سورج وہ بھی تاریکی میں بھٹکیں
چاند ستاروں سے اب پوچھیں کس نے دُکھ کے شہر بسائے

ترسے گی اب پیار کو دُنیا سُوکھ چلے ہیں دل کے دریا
کوہکن سر کو پھوڑ چکا ہے تیشے سے جو نہر بنائے

شام سویرے آگ لگا کر چھپ جائے اُمید کا سُورج
دن کو تڑپوں رات کو ترسوں سوچوں کی دوپہر جلائے

سوچ صدف ہے جس میں آنکھیں غم کے آنسو ٹپکاتی ہیں
دل کا جب بھی خون ہوا ہے موتی ہر اک لہر لُٹائے

○

کون سا غم نہ زمانے کا اُٹھایا میں نے
دل کے داغوں سے جہاں پھر بھی سجایا میں نے

دل کے دیپک سے بدن اپنا جلایا میں نے
میگھ دنیا کو سنا کر نہ رُلایا میں نے

ہر طرف پھیل گئی زرد گلابوں کی صدا
زخمِ دل اُجڑے چمن کو جو دکھایا میں نے

زندگی بھر کے لیے دی ہے دھڑکنے کی سزا
جُرم ایسا بھی کیا کیا تھا خدایا میں نے

اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بُت چوٹ کریں
بن گئے ہیں وہ خدا جن کو بنایا میں نے

بڑھ گیا جام کی تلخی سے مرا رنگِ بیاں
اک حقیقت تھی فسانہ جو سُنایا میں نے

بھیگی پلکوں پہ لرزتے ہی رہے اشک مرے
اِن چراغوں سے شبِ غم کو سجایا میں نے

آتشِ غم سے ہُوا پہلے مرا خاک بدن
پھر اسی خاک سے دنیا کو بسایا میں نے

اس قدر دل کے لہُو میں ہے اُجالا دیکھو
جل اُٹھا جس کو بھی سینے سے لگایا میں نے

○

کاجل بھرے نینوں میں ہیں ساون کے نظارے
رنگین ہیں مستی بھری جھیلوں کے کنارے

ساغر میں بھری آتشِ تر جان جلائے
پیتے ہیں مگر پھر بھی کئی درد کے مارے

دنیا کے اندھیروں نے مجھے اشک دیے
تاریک ہوں راہیں تو غنیمت ہیں ستارے

اے چارہ گرو کچھ تو کرو درد کا درماں
کب تک میں جیوں زخم کی ٹیسوں کے سہارے

راتوں کے اندھیروں میں ہیں اُمّید کے جگنو
لمحے جو منانے ہیں تجھے میں نے گزارے

ساون کی پھواروں سے لگے آگ جہاں میں
کیا ابرِ کرم سے بھی برستے ہیں شرارے

دل ڈوب گیا چھوٹ گئیں وقت کی نبضیں
یہ ٹوٹ کے سینے سے لگا کون ہمارے

کلیوں کو جہاں بھر میں اندھیروں نے جلایا
تاریک اُجالوں میں بجھے پھول بچارے

یادوں کی مہک وقت کے دریا کی صدا ہے
دل درد میں ڈوبے ہوئے لمحوں کو پکارے

○

ثروتِ دل کے لٹانے والے — جان سے جلتے ہیں جانے والے
ہر طرف درد کے دریا پھیلے — بہہ گئے خاک اُڑانے والے
جل رہے ہیں بھری برساتوں میں — میگھ ملار سنانے والے
ناچتے دیکھے ہیں ہم نے عریاں — محفلِ رقص سجانے والے
بے نیازی کا گلہ کرتے ہیں — حسن کے ناز اُٹھانے والے
عمر بھر چین کہاں پائیں گے — دامنِ صبر چھڑانے والے
اب کبھی نیند نہیں آئے گی — سو گئے خواب دکھانے والے
اپنی نظروں پہ بھروسہ کر کے
جل بجھے دل کو جلانے والے

○

بدل گیا ہے زمانہ بدل گئیں قدریں
سمٹ گئی ہے یہ دنیا سمٹ گئیں نظریں

عجب ہیں طور جہاں کے عجب ہوئی حالت
مجھے ہے خوف کہ لوگ اور کچھ نہ کر گزریں

بدبد سوچ کے فتنے فساد کی جڑ ہیں
قدیم رنگ کے جھگڑے چمن میں گل کتریں

صدف کے درد سے پاتا ہے روشنی قطرہ
گہر کی چوٹ سے کرنیں اِدھر اُدھر بکھریں

جلا رہا ہوں جہاں کو جب اپنے ہاتھوں سے
مری مدد کو فرشتے فلک سے کیوں اُتریں

گلوں کی آگ سے رہتی ہیں شبنمی آنکھیں
کلی کلی کے لہو سے کئی چمن نکھریں

غریب شخص جسے کچھ خبر نہ تھی گھر کی
عجیب دل کو جہاں کی سنا گیا خبریں

برف گرتی آج دیکھی کوہساروں پر
ٹوٹ کر آئی جوانی آبشاروں پر

برف پڑتی جا رہی ہے مرغزاروں پر
سرد موسم ہے قیامت میگساروں پر

جب درختوں نے حیا کی چادریں تانیں
کیا مقدس رنگ آیا ہے بہاروں پر

برف چمکی دھوپ میں تو خوش گماں بولے
نور کی بارش ہوئی ہے خاکساروں پر

سب نگاہوں میں لرزتی روشنی پھیلی
آنکھ جمتی ہی نہیں ہے ماہ پاروں پر

روشنی کی آرزو میں پھول کھلتے ہیں
آسماں روتا ہے شبنم ان شراروں پر

وادیوں میں چاندنی کا روپ نکھرا ہے
برف نے جادو کیا ہے چاند تاروں پر

زندگی کی سیج کلیوں سے سجائیں گے
چادریں پھولوں کی ڈالیں گے مزاروں پر

کس قدر ہیں دل مقدس چاندنی راتیں
پاکبازوں کی نظر ہے بادہ خواروں میں

○

ہوس کی تیرہ گری رات گُل کِھلا کے رہی
سحر کی فتنہ گری سے نظر مِلا کے رہی

رواج سارے گلستاں میں بن گئے دیوار
مگر گری ہے تو صحنِ چمن دکھا کے رہی

بہت ہی گہرے تھے یادوں کے نقش ہائے حسیں
مگر حیات نقوشِ حسیں مٹا کے رہی

حریم کعبہ سمجھتے تھے دل کو ہم لیکن
صنم کی جلوہ گری بُت کدہ بنا کے رہی

قسم تو کھائی تھی ساقی پیئیں گے اب نہ شراب
نظر کی شیشہ گری آگ یہ پلا کے رہی

پتنگے جب بھی ہوس میں جلے ہُوا اندھیر
بجھی جو شمع تو شب کو سحر دکھا کے رہی

کِرَن کِرَن سے اُداسی بڑھی تو رات ہُوئی
کھلی جو چاندنی تو کرب کو جگا کے رہی

ہوس کی آگ سیہ رات لے کے آئی تھی!
خلوصِ دل کے چراغوں کو یہ بجھا نہ سکی

گجر پہ چوٹ پڑی وقت کی صلیب اُٹھی
گھڑی غضب کی تھی لیکن غزل سُنا کے رہی

تمام عمر بچاتے رہے تھے دامنِ دل
ہوس کے داغ مگر زندگی لگا کے رہی

○

بھلائے لاکھ مگر غمِ ترا بھلا نہ سکے
بجھائے سارے دیے یہ دیا بجھا نہ سکے

چمن چمن نے دکھائے ہیں کھل کے زخمِ جگر
وہ چاک دامنِ شب جو سحر دکھا نہ سکے

بنا لیے ہیں زمانے نے پتھروں کے خدا
مگر اب آپ ہی ان سے نظر ملا نہ سکے

بُتوں کو دیکھا تو فتنہ گری پہ تھے نازاں
لگی جو ضرب تو پھر سر کبھی اُٹھا نہ سکے

بسے تھے اُن کی نظر میں جہانِ مہر و وفا
وہ لوگ جو کبھی دنیا سے دل لگا نہ سکے

ہزاروں سال جلی محفلوں میں شمعِ خاموش
جلے ہیں ہم بھی کچھ ایسے زباں ہلا نہ سکے

نظر میں آج بھی ہے اُس کی بے رُخی کا سماں
کسی کو اپنا کبھی کہہ کے ہم بُلا نہ سکے

سجا لو دامنِ مژگاں پہ گر لہو کے چراغ
اندھیری رات کبھی زندگی میں آ نہ سکے

تمام عمر جو دھڑکن سے بھی قریب رہا
ہزار چاہا اُسے حالِ دل سُنا نہ سکے

چلا ہے سوچ کے کیا ساحلِ اُمید پہ دل
وہ موج کیا ہے جو نقشِ قدم مٹا نہ سکے

○

بے وفا کو بھولنے کے واسطے دل چاہیے
ہم کو مرنے کے لیے بھی ایک قاتل چاہیے

ہوش کے ساگر کا واقف کب ہمیں مطلوب ہے
دشتِ دل کی خاک جو چھانے وہ عاقل چاہیے

زندگی کی ہر خوشی کی انتہا ہے شبنمی
درد کے طوفان کو نم دیدہ ساحل چاہیے

نغمۂ دل سوز چھیڑا کس لیے ناہید نے
بزمِ جاناں کے لیے تو رقصِ بسمل چاہیے

چل پڑا ہے آخرش مجنوں کے پیچھے دشت بھی
ہر بگولے پر بندھا اب ایک محمل چاہیے

عقل و دانش کے نقیبوں کو سنبھلنے کے لیے
دخترِ رز کی ادائے خاص شامل چاہیے

کس قدر ویران ہوتی جا رہی ہیں بستیاں
عقل کے روشن کھنڈر میں دل کی محفل چاہیے

○

بسمل ازل سے دل ہے مرا کیوں سکوں ملے
ڈوبی نظر جو سوچ میں سب سرنگوں ملے
لایا کبھی نہ رنگ مری آنکھ کا لہو !
انسان اس جہاں میں بڑے گوناگوں ملے
غم سے بھری نگاہ میں ہے نور کا نشہ
ممکن نہیں ہے ہنستی نظر کو فسوں ملے
مجبور زندگی سے میری دوستی نہیں
دشمن سے موت بھی مری کیسے کہوں ملے
اِس دور میں عجیب تماشا ہے دوستو
عقل و خرد کے دشت میں اہلِ جنوں ملے
اِک عمر ہو گئی ہے کہ پھرتا ہوں بے قرار
مدّت سے آرزو ہے کہیں کچھ سکوں ملے
دل روئے آسماں نہ اگر رات بھر تو پھر
شام و سحر کو رنگ نہ پھولوں نہ خوں ملے

○

زندگی بھر ہم کسی کی آرزو کرتے رہے
منزلوں کی راستوں میں جستجو کرتے رہے

نقش بن کر ہم تری تصویر کو دیکھا کیے
خونِ حیرت کا نظر سے مُو بہ مُو کرتے رہے

جو حقیقت میں رہے تھے بے زبانی کا سبب
ہم تصوّر میں انھیں سے گفتگو کرتے رہے

ہم زمانے سے گلہ کیوں بے وفائی کا کریں
تُو نے ظالم جو کہا ہم ہُو بہ ہُو کرتے رہے

جام بھر کے تشنگی سے آئینہ دیکھا کیے
اشک دنیا کو نظر کے رُو بہ رُو کرتے رہے

زندگی کے ان اندھیروں میں کہاں ہے روشنی
وہ نگاہوں سے اُجالا کُو بہ کُو کرتے رہے

دل کی دنیا اور یہ رنگین ہوں شام و سحر
ہم جگر کا اپنے ہاتھوں سے لہُو کرتے رہے

○

اِدھر بھی خدارا ذرا دیکھیے
یہ بندے کا جرم و سزا دیکھیے
زمانے کی بدلی ہوا دیکھیے
نقوشِ کہن سب مٹا دیکھیے
ہے جاں بخش اُس کی جفا دیکھیے
نہ دل سوز میری وفا دیکھیے
لرزتے ہیں دامانِ مژگاں پہ اشک
غضب کے ہیں تیرِ بلا دیکھیے
جو تیکھے تھے ابرو کماں ہو گئے
یہ تیرِ نظر بھی چلا دیکھیے
جو اپنی گلی میں بھی ٹھوکر لگے
تو غیروں کو دے کر صدا دیکھیے
یہ ساری خدائی ہے دشمن مری
مگر کیا کرے اب خدا دیکھیے
یہ مانا سزاوار میں ہوں مگر
ہوئی مجھ سے کیوں کر خطا دیکھیے

ذرا آپ اُن کو بھی سمجھائیے
جو رہتے ہیں اکثر خفا دیکھیے
زمانے نے ٹھکرا دیا ہے مگر
سُنے گا مری کب خدا دیکھیے
وہ کہتا ہے وعدہ نبھاؤں گا میں
مگر کیا کرے بے وفا دیکھیے
مرے درد کی تو ہے بوتل دوا
مگر کس قدر ہے شفا دیکھیے
یقیں ہے یہ مجھ کو نہ آئیں گے وہ
اگر کچھ ہے دعویٰ بُلا دیکھیے
یہ دنیا تو اپنی کبھی تھی نہ ہے
نہ کیوں اپنی عقبیٰ ابنا دیکھیے
صلیبوں پہ سُوئے ہوئے ہیں مسیح
یہ دم ہے غنیمت جگا دیکھیے
نگاہوں میں دل جب سما ہی گئے
تو شہرت کا کچھ تو مزا دیکھیے



شیشے میں شام تیرے بدن کا بھی عکس تھا
دل میں تھا چاند آیا مگر بام تک نہیں

○

کل میکدے سے ہو کے میں برباد ہو گیا
دل پر لگی وہ چوٹ خدا یاد آ گیا

پتھر دلوں کے شیریں لبوں کو تراشنے
تیشہ بدست پھر کوئی فرہاد آ گیا

ویرانیوں میں آج بہاروں کا ہے گزر
دشتِ وفا میں پھر دلِ ناشاد آ گیا

تخلیق کے عذاب میں تھا جاں بہ لب جہاں
لے کر قلم کی تیغ بھی نقّاد آ گیا

بیزار زندگی سے بہت ہو چلا تھا دل
صد شکر اک حسین سا جلّاد آ گیا

ہوتا ہے ساحلوں پہ ہی اکثر صدف کا خوں
طوفان کس کی لے کے یہ فریاد آ گیا

دل کے چمن میں آئی عجب رنگ سے بہار
گلچیں کے ساتھ ساتھ ہی صیّاد آ گیا

○

سانپ کے کاٹے کا تو تریاک ہے
تو ڈسے جس کو وہ انساں خاک ہے

کس قدر معصوم لگتا ہے مگر
در حقیقت ایک ہی چالاک ہے

پتّی پتّی ہے چمن کی داغدار
پھر بھی دامن باغباں کا پاک ہے

جس نظر میں تھیں حیا کی سرخیاں
آج دیکھو کس قدر بے باک ہے

درد کا عالم سنبھلتا ہی نہیں
دل کا دامن اب جگر تک چاک ہے

لوٹ کر دل لے گئی ہے جانِ من
صورتِ شام و سحر غمناک ہے

○

اہلِ فن سے داد لینا کام ہے مُشکل بہت
جُنبشِ مُو لرزشِ لب پہ جو قادر ہیں بخیل

مظہرِ حق تھا جو انساں آج ہے رُسوائے دہر
رفتہ رفتہ یہ زمانہ ہو گیا کتنا ذلیل

مُختصر سی زندگی میں وقت کے رشتے گراں
دُکھ کے لمحے غم کی گھڑیاں کس قدر کتنی طویل

چل پڑا ہوں سوچ کے میں وقت کے رہزن کے ساتھ
میری دُنیا میری یادیں ساری پُونجی ہے قلیل

ظاہری صورت تو جھُوٹے آئینے کی آب ہے
عکس چہرے سے نہیں ہوتا نظر سے ہے شکیل

جو خودی کا خون کر کے آیا اپنے ہاتھ سے
دار پر لٹکا رہے گا ایسے خونی کا وکیل

معنی و مطلب کی باتوں میں بھی تو فرق ہے
میں کہوں جو وہ نہ سمجھے وہ کہے جو ہے ثقیل

شیشۂ دل سے کہے اک بند بوتل کی شراب
پیاس تیری ہے غضب کی عکس میرا ہے جمیل

پست قدریں اس قدر انسانیت کی ہو گئیں
اعلیٰ رتبہ پا کے بھی ہوتا نہیں انساں جلیل

اب فرشتہ صورتوں پہ دل بھروسہ کیوں کرے
اللہ اللہ وہ زمانے جب بشر بھی تھے خلیل

○

دیتے رہو گے مجھ کو صدائیں تمام عمر
آہیں بھریں گی سُن کے ہوائیں تمام عمر

دے کر فریب مجھ کو نہ پاؤ گے تم بھی چین
آئیں گی یاد میری وفائیں تمام عمر

لُوٹیں گے سب اندھیرے اندھیرے نزا شباب
روتی رہیں گی نُور فضائیں تمام عمر

تجھ پر تھا مجھ کو ناز مگر اب نہیں رہا
غیروں کو اب دکھانا ادائیں تمام عمر

کرتے رہے ہو جرم اُجالوں میں نت نئے
ملتی رہی ہیں مجھ کو سزائیں تمام عمر

دھوکے دیے ہیں تُو نے بہت مجھ کو جانِ شوق
نکلیں گی پھر بھی دل سے دعائیں تمام عمر

○

غم آشنا یہ دل ہے اے زندگی، نہ کر غم
دل کے لہو سے دنیا نکھرے گی دیکھ ہر دم
آنکھوں سے بہہ رہا ہے اب زندگی کا لاوا
آتش فشاں فلک بھی ہونے لگا ہے پُر نم
لایا ہے ابکے ساون دامن میں بھر کے شعلے
زندہ جلا رہا ہے سب کو برس کے پیہم
دیتے ہیں آسماں کو ہم رات بھر دعائیں
ہونٹوں پہ قطرہ قطرہ گرتی رہی ہے شبنم
اشکوں میں زندگی کے نظّارے دیکھتا ہوں
رنگوں کے اس جہاں میں ہر جام کو ملا جم[1]
ابرو تنی کماں ہیں ماتھے پہ ہیں لکیریں
ظالم ہیں اُن کے مژگاں تقدیر ہم سے برہم
لہریں تڑپ تڑپ کے ساحل کی ریت چاٹیں
طوفانِ آرزو ہے دلؔ موت کی ہی سر گم

[1] جم (ہ) موت

○

دل تو نے کیا زخمی شاہد ہے اس کا داغ
ہمسایہ بھی تڑپے ہے دھڑکے ہے جب چراغ

پھولوں کی تو آنکھوں میں شبنم کے جلیں اشک
ہنستی ہیں مگر کلیاں روتا ہے جو نہی باغ

خط لکھ کے جلا ڈالا جو راکھ ہے اب اس کا
قاصد تیرے ہاتھوں سے ممکن نہیں بلاغ

آنکھیں ہیں تری بوتل ہیں اشک مرے شیشہ
مے خانہ بھرا لیکن ٹوٹے پڑے ایاغ

کوئل کی مدھر لے سے کب لوٹ کے پی آئے
اک آس تو بندھ جائے بولے جو کوئی زاغ

جو نوچ کے کلیوں کو رنگین کرے راتیں
اُس باغباں کے دل پہ حاوی ہُوا دماغ

○

بادلوں کے کارواں بھی وہ لوٹ لے چلا
تارِ نفس کا یارب ٹوٹے یہ سلسلہ

آبِ رواں پہ میرا چہرہ لرز گیا
سائے میں جارہا تھا پانی کا بلبلہ

ماضی کے قہقہے ہیں اس حال پر گراں
اک بوجھ بن گیا ہے لمحوں کا غلغلہ

سپنوں کی آرزو میں راتیں گزر گئیں
سورج سے آنکھ کرتی چندا کا ہے گلہ

لہروں کی تشنگی سے ساگر بھی جل گئے
قطرہ صدف نہ ساحل ان کو کہیں ملا

دنیا کی گردشوں کا میں کیوں گلہ کروں
رات آگئی دکھوں کی دن درد کا ڈھلا

گل رنگ روشنی سے راتیں نکھر گئیں
تجھ میں دیے یہ کس کا تازہ لہو جلا

کل پر ہے گر یقیں تو یہ آج جان لے
نیکی کا اس جہاں میں ملتا نہیں صلہ

آیا جو دل خزاں میں دامن اُلجھ گیا
یوں چاک چاک ہو کے سارا چمن کھلا

○

کتنی شوخ تھیں آنکھیں تیری کتنے رنگ نظر میں تھے
راہی دیکھ چلے جوان کو ڈوبے ایک سفر میں تھے

ایسا میرا چاک گریباں دیکھو کانٹے پیار کریں
آنکھوں پہ اِک بوجھ بنے ہیں جتنے پھول نگر میں تھے

صدیوں سے ہے سوچ میں، دُنیا تاریکی میں ڈوبا عالم
ایک گُنہ پہ اتنے جھگڑے اور بھی عیب بشر میں تھے

آگ لگائی جسم کو لیکن پھر بھی رات ہُوئی نہ روشن
ٹھنڈی پڑ گئیں ساری کرنیں اتنے داغ قمر میں تھے

کیسی دی تُو نے آزادی سوچ کے ہیں سب آج غلام
قیدی دیکھے مردہ دل سے بیٹھے اُونچے گھر میں تھے

مے خانے میں جل اُٹھتے ہیں ساغر سے دل اور نظر
تاریکی کو آگ لگائیں جتنے رند خبر میں تھے

سانسوں میں وہ رچ گئے آخر نکھرے ہر سُوز رد گلاب
دل کا خون میں کیسے کرتا قطرے چند جگر میں تھے

○

دل کا کبھی نہ داغ چھپایا گیا کوئی
جو نہی غموں کا بوجھ اُٹھایا گیا کوئی

دھڑکا کریں گے اب تو اندھیروں میں بھی چراغ
روشن خیال ڈال کے سایہ گیا کوئی

رہبر نشان کیسے نئی منزلوں کے دے
نقشِ کہن نہ مجھ سے مٹایا گیا کوئی

بُت تھا نظر میں سامنے تصویرِ یار تھی
صورت بنی نہ مجھ سے مٹایا گیا کوئی

آئی جو موت بن کے میری جانِ آرزو
نغمہ نہ زندگی کا سنایا گیا کوئی

مل کر گلے سے لوگ کریں گے تبرا گلہ
سینے سے اس لیے نہ لگایا گیا کوئی

من کی کسی سے بات کبھی ہم نہ کہہ سکے
آیا لبوں پہ دیکھ لو دل جب گیا کوئی

ہمراز بن کے اُس نے سنیں دل کی دھڑکنیں
جب راز داں ہے دل کو بنایا گیا کوئی

○

اپنے اشکوں پہ ستاروں کا گماں ہوتا ہے
تیری راتوں کے سنورنے کا سماں ہوتا ہے

جاگنے والے ذرا دیکھ کے گُل کرنا چراغ
آنکھ لگ جائے تو خوابوں میں دھواں ہوتا ہے

صورتِ غم پہ گراں ہونے لگا تارِ نظر
نگہ اُٹھتی ہے جدھر شیشہ وہاں ہوتا ہے

دل کے شیشے پہ کیے کس نے عجب نقش و نگار
داغ مٹ جائیں تو پھر زخم عیاں ہوتا ہے

نیکھے ابر وہیں کماں دامنِ مژگاں کی قسم
تیر چلتے ہی جہاں محوِ فغاں ہوتا ہے

اِک حقیقت ہے مرا خواب مگر دیکھ سنم
بے وفا سامنے نظروں سے نہاں ہوتا ہے

شمع جلتی ہے سرِ شام اندھیروں کے لیے
ظلمتِ شب میں ستم اُس کا جواں ہوتا ہے

راہیں مل کر جو بچھڑ جائیں تو پھر مل نہ سکیں
فاصلہ جلتی صلیبوں کا نشاں ہوتا ہے

بھیگی زلفوں کے جو سائے میں کِھلیں لب کے گلاب
قابلِ دید وہ ساون کا سماں ہوتا ہے

دلؔ وہ قسمت سے ملے ہیں تو ذرا وقت رُکے
یہ سماں سب کے مقدّر میں کہاں ہوتا ہے

○

کبھی کہا غزل تجھے کبھی کہا تجھے غزال
کدھر کدھر اُٹھی نظر کہاں کہاں گیا خیال

جہاں میں تجھ سے روشنی ترے ہی دم سے چاندنی
ترا جواب ہے کہاں تری نہیں کہیں مثال

چمن کی تُو بہار ہے گلوں کا تو نکھار ہے
کلی کلی کا حُسن ہے کِرن کِرن کا تو جمال

بدن ترا ہے شبنمی گلاب کی ہے تُو کلی
سحر میں ہے کھُلا ہُوا ذرا سا شام کا گلال

جہانِ آرزو کی ہے تری نظر سے ہی نمُو
نگاہِ شوق نے مجھے دکھائے سینکڑوں کمال

لگا کے چوٹ چل دیے بنا کے بُت گرا گئے
شکستہ دل ہے بے زباں کسی سے کیا کرے سوال

ہزاروں دل تڑپ اُٹھے جگر ہُوئے کئی فگار
چلا کے تیر چھپ گیا مرے فلک کا جب ہلال

زمین سجدہ ریز ہے فلک بھی ہے جھکا ہُوا
اذان دے رہا ہے دلِ سحر کی پھر کوئی بلال

○

اُٹھا کے حشر جہاں میں چھلے نظر کیسے
بشر کو روزِ قیامت کی ہو خبر کیسے

کسی کو بھی نہ بتایا ملی نظر کیسے
خدا ہی جانے جہاں کو ہوئی خبر کیسے

کِھلی بہار ہے رنگین زندگی ہے بڑی
ترے بغیر میں زندہ رہوں مگر کیسے

نظر کے سامنے منزل نہ رہ گزر کا نشاں
کٹے گا زندگی کا یہ کٹھن سفر کیسے

شبِ فراق میں حسرت کے داغ کِھل نہ سکے
چمن میں پھول کِھلائے گی اب سحر کیسے

خبر ملی ہے زمان و مکاں سے مجھ کو یہی
گزر جو ہو نہ جہاں سے تو ہو بسر کیسے

اُفق پہ دیکھ لو بکھرے ہُوئے لہُو کا سماں
نہ پُوچھو خون کیے ہیں دل و جگر کیسے

ترے خیال میں زندہ ہوں قبر میں اب تک
کیا ہے دفن جہاں نے مجھے مگر کیسے

ہمیشہ دل سے کیے مانا تو نے سجدے مگر
نہ سَر اُٹھایا تو ہوگی یہاں بسر کیسے

چمک رہی ہے پہاڑوں پہ پھر وہی بجلی
ہے محوِ رقص اندھیروں میں اک شجر کیسے

جلے نہ جان تو دنیا کو روشنی نہ ملے
لگے نہ چوٹ جو دل پہ تو ہو بسر کیسے

چمک رہا ہے ستاروں سے رات کا دامن
جگر کے داغ دکھائے گی دلِ سحر کیسے

○

آرام زندگی میں گھڑی بھر بھی کیوں ملے
بے چین دل ہو پاس تو کیسے سکوں ملے

تیری نظر کو دشتِ خرد میں بھی کیا مِلا
میرا وہ دل کہ جس کو جنوں میں سکوں ملے

دیکھا ہے جس کو میں نے وہی خستہ حال ہے
ہر شخص مجھ سے ٹوٹ کے کیسے کہوں ملے

جیسے نظر کے سامنے بجلی گرے کہیں
مدت کے بعد مجھ سے تڑپ کر وہ یوں ملے

مر جاؤں تو وہ شوق سے آئے نہ قبر تک
لیکن یہ آرزو ہے کہ جب تک جیوں ملے

دل ریزہ ریزہ اور جگر لخت لخت ہے
جیسے کسی مکان کی حالت زبوں ملے

دل ٹوٹنے سے درد کی دولت ملی مجھے
سازوں کے تار تار سے سوزِ دروں ملے


صورتِ غم سے عیاں ہے زندگی کی داستاں
بے زبانی کی مجسّم بن گئی تصویر بھی

○

پھیلائے جونہی بازو ترے پیار کی خاطر
سینے سے لگے آ کے کئی دار پہ لٹکے

سورج تو سحر و شام جلے پورے کا پورا
بڑھتا نہیں یہ چاند مگر رات کو گھٹ کے

آنکھوں سے کرے بات زباں گھاؤ لگائے
یہ طوطا صفت آیا بڑے بول ہے رٹ کے

کب کس کو ملی ہے شبِ تاریک میں منزل
جگنو بھی شبِ زلفِ گرہ گیر میں بھٹکے

آئے ہیں مرے درد کی فریاد وہ سننے
شاید کہ زباں اب میری ہر لفظ پہ اٹکے

دھڑکن کی کسک چوٹ تو دل سہتا رہے گا
نظروں کے سہے جائیں گے کب تیور کے جھٹکے

○

جنگل میں جو آگ لگائے میں وہ ایک صدا ہوں
دل کے ساگر میں ڈوبا میں جلتا کوہِ ندا ہوں

کتنی بار مرا ہوں میں اور کتنی بار جیا ہوں
موت و حیات کے اس چکّر میں گنتی بھول گیا ہوں

جن سے آنکھ ملائی میں نے مل کر آخر بچھڑے
کل تک ساتھ مرے تھی منزل رہ میں آج کھڑا ہوں

سرد اندھیروں میں جو تڑپا سورج بن کر ابھرا
اپنی لو میں گم سم بیٹھا میں تو ایک دیا ہوں

میری نظروں میں ہے اب تک تیرا ہنستا چہرہ
اشک بھری آنکھوں سے پھر میں کس کو ڈھونڈ رہا ہوں

جسم و جاں کا فرق مٹا کر ذرّے ناچ رہے ہیں
صحرا صحرا شور مچائے مجنوں میں لیلیٰ ہوں

کومل کلیوں کی آنکھوں میں شبنم رنگ بھرے گی
جانے کتنے نقش ادھورے رو نے چھوڑ چلا ہوں

دوزخ بھر کے سو جاتے ہیں آگ لگانے والے
دل کی آگ بجھاؤں کیسے میں سوکھا دریا ہوں

سوچوں نے وہ شکل بگاڑی دل آ پہچانے کیسے
شیشے کے بر عکس نظر ہے صورت دیکھ رہا ہوں

○

چراغِ زیست بجھانا تو کوئی کام نہیں
ہزار گزرے ہیں ایسے کہ جن کا نام نہیں

سویرا وہ ہے جو آنکھوں کو شبنمی کر دے
دلوں کو خون رُلائے نہ جو وہ شام نہیں

نظر کی چوٹ نے شیشے کو آگہی بخشی
نگاہِ ناز کا توڑا ہُوا یہ جام نہیں

حقیر مجھ کو سمجھتے ہیں کیوں اسیرِ درم
حضور بندۂ بے دام کو دوام نہیں!

دھڑک رہا ہے دلوں میں بیانِ پروانہ
زبانِ شمع کی تاثیر ہیں کلام نہیں

ہر ایک شخص یہی دل سے پوچھتا ہے بتا
جہاں میں کون ہے جو سوچ کا غلام نہیں

○

رت جگا ہے زندگی تاروں کی صورت جل لیے
اس جہاں میں آہِ سوزاں بھر کے ہم تو چل لیے

کاغذی دامن پہ کیا کیا نقش دائم کر چلے
دیکھ کر اُلجھی لکیریں ہاتھ ہم نے مل لیے

آفتابِ فکر و فن سے جل گیا سارا جہاں
اب نسیمِ صبح بھی چلنے لگی بھوبل لیے

آج کتنے کھل اُٹھے ہیں دیکھ شعروں کے گلاب
زخم بن کر مسکرائے داغ تھے جو کل لیے

اس قدر ہے گرم اب تو اپنی آہوں کا دھواں
جب بھی چاہا سوچ کے سانچے میں ہم تو ڈھل لیے

آتشِ جاں سوز نے دل کی مٹا دی تشنگی
یہ زمیں روتی رہی ہے دوش پر بادل لیے

عمر بھر پہنچے کا منزل تک نہ اب کوئی کبھی
صبح بھی نکلے گی منہ پر رات کا آنچل لیے

آگ کے دریا میں بہتی جا رہی ہے زندگی
موج تو آتی ہے لیکن درد کا ساحل لیے

جل اُٹھا دل آسماں کی خاک اُڑتی دیکھ کر
چل رہا ہے جو زمیں پر زندگی کا ہل لیے

○

سُورج نے زمینوں پہ بہت نُور بکھیرے
لیکن نہ کبھی دُور ہُوئے دل کے اندھیرے

بکھرے ہیں سرِ شام کئی پھُول چمن میں
ہنستی ہے شبِ تارِ سیہ دیکھ کے چہرے

جب جسم جوانی میں جلیں مثلِ جوالا
شعلوں کو ہَوا دیتے ہیں گُل رنگ اندھیرے

شاخوں کو سرِ شام ڈرے دیکھ کے پنچھی
اُجڑا یہ چمن اور جلے سارے بسیرے

یوں مجھ سے چھڑا کر وہ گیا دامنِ رنگیں
دھڑکے ہے مرا آج بھی دل درد کو گھیرے

پھُولوں کی تمنّا میں گزاری گئیں راتیں
خوشبو میں بسے خار ملے شام سویرے

کلیوں کا لہُو چوسیں چمن زار میں بھونرے
پھُولوں سے بھرے باغ یہ تیرے ہیں نہ میرے

اشکوں بھری آنکھوں میں ڈھلی شام سُہانی
اِک اوس پڑی اُڑ گئی شبنم بھی سویرے

گھبرایا ابھی گردشِ دوراں سے نہیں مَیں
ہیں گھر پہ بلاؤں کے عبث پھیرے پہ پھیرے

زخموں سے ہرا باغ نہ سُوکھے گا کبھی دل
مانا کہ غم و درد ہیں ڈالے ہوئے ڈیرے

○

آ گئے ہم پھر فریبِ زندگی کے دام میں
پھر نگاہوں نے ملایا زہر میرے جام میں

اس قدر پھر کیوں سجایا اُجڑے گھر کو پیار سے
ابتدا سے گر عیاں تھا خاک ہے انجام میں

تیرتی ہے اُس نظر میں دیکھ صورت غیر کی
دل تڑپ تُو ڈوب کر پھر حسرتِ ناکام میں

زندگی بھر حرف آئے گا نہ تیرے نام پر
جان سے پہلے زباں دی ہے تجھے پیغام میں

دھڑکنوں کے ساز نے رُسوا کیا بازار میں
سوزِ دل سے رونقیں ہیں کوچۂ بدنام میں

منزلِ مقصود پا کر حیرتوں میں گم ہوُے
کھو گئے ہم پھر سے دیکھو گردشِ ایّام میں

بجھ گیا دل کا دیا اُس بے وفا کے ہاتھ سے
ڈھل گئی میری جوانی بے کسی کی شام میں

○

کچھ بے قرار ہوتے کچھ انتظار کرتے — وعدہ کیا تھا اُس نے تم اعتبار کرتے

جو دل کی دھڑکنوں میں بس کر بھی ہیں پرائے — بیگانہ ہی سمجھ کر کچھ دیر پیار کرتے

نظروں میں بسنے والے تو سامنے جو ہوتا — مرنے کی ہم دُعائیں کیوں بار بار کرتے

دیوانگی بنی ہے دستور زندگی کا — دامن خرد کا ورنہ یوں تار تار کرتے!

یہ جانتے اگر ہم تقدیر ہی بری ہے — کیوں سنگِ مرمریں پر تیشے سے وار کرتے

قاتل سے دل لگا کر گھُٹ گھُٹ کے مرنے والو — فریاد تم خدا سے بے اختیار کرتے

اے کاش سیکھتے ہم بھونروں سے گُنگُنانا — کلیوں سے دل لگاتے پھولوں سے پیار کرتے

قسمت کی یہ لکیریں اک جال بُن گئی ہیں — ہم ورنہ زندگی میں کچھ کاروبار کرتے

اس دل کی بندشوں نے مجبور کر دیا ہے

نے دلنواز ہوتے نے دل فگار کرتے

○

پیروں میں پڑی گردشِ حالات کی بیڑی
یہ حلقۂ دستور بنا طوقِ غلامی

تقدیر کے چکر میں پڑا سوچ رہا ہوں
قسمت سے بُرا وقت کرے تلخ کلامی

گرداب ہوس اور یہ خود کام بگولے
چکر میں ہیں لیکن ہے وہی برق خرامی

چھپتے ہیں یہ جس وقت تو کھلتا ہے یہی راز
یہ شمس و قمر دیتے ہیں انساں کو سلامی

حلقے سے سیاہی کے جنم لیتا ہے خورشید
پھرتے ہیں لیے طشت میں سر کوفی و شامی

بدنام ہوا جن کے لیے اُن کو گلہ ہے
ہے شہرۂ آفاق مرا اسمِ گرامی

آشفتہ سری لائی ہے اب رنگ انوکھے
چکرا کے ہوا چرخِ کہن ناصر و حامی

معنی و بیاں وقت کے پابند نہیں ہیں
غالب ہے اگر آج تو کل رومیؔ و جامیؔ

اِک زلفِ گرہ گیر میں تڑپے ہے مرا دل
کس رات نے جگنو کو دیا سوزِ دوامی

ن

پاس تنہا یاد تیری دور تک تنہائیاں
قربتوں پر فاصلوں کی چھا گئیں پرچھائیاں

رات ساری روتے روتے گُل ہُوئے رنگین تر
ہر کلی کی آنکھ میں ہیں شبنمی رعنائیاں

نغمگی تیری ادا کی منجمد محراب ہے
گنبدوں میں گونجتی ہیں مرمریں انگڑائیاں

وحشتِ دل سے ہیں کتنی جنگلوں میں رونقیں
شہرتِ ہوش و خرد ہیں شہر کی رسوائیاں

جن کی نظروں میں تھیں روشن زندگی کی دھڑکنیں
لے گئے وہ لوٹ کر دل چھین کر بینائیاں

○

ساون کا وہ مہینہ آئے گا پھر کبھی نہ
منجدھار ہے زمانہ گرداب ہے سفینہ
نظروں میں تُو رہے تو ہے سامنے مدینہ
سوزِ دروں کے صدقے جلتا ہے طورِ سینا
شرما کے بُت نے دیکھا شبنم شفق پہ پسینہ
پتّھر کو موم کر لوں چاٹوں کا پھر نگینہ
جن کے ہیں زرد چہرے اُن کا لہو زرینہ
رازِ نظر کو پا لوں دیکھوں گا پھر دفینہ
پروانہ شمع کا ہے مہمانِ یک شبینہ
اُونچا ہے نام جن کا عادات ہیں کمینہ
دل آ گیا تو دھڑکن
بے حال و بے قرینہ

○

اُونچائیوں کے ساتھ ملی پستیاں بھی ہیں
گہرائیوں میں غرق بڑی ہستیاں بھی ہیں

سودائیوں نے کر دیا عقل و خرد کا خوں
وحشی نظر میں آج بھری مستیاں بھی ہیں

پلکوں کے سائے جل اُٹھے اشکوں کی آگ سے
ساحل جلا تو ساتھ جلی کشتیاں بھی ہیں

لاتے ہیں آج اہلِ سخن دور کے خیال
رکھی گماشتوں نے کئی گشتیاں بھی ہیں

ویران راستوں میں کئی حسرتوں کے ساتھ
اُجڑی ہزاروں دل کی پڑی بستیاں بھی ہیں

○

شیشے میں شام تیرے بدن کا بھی عکس تھا
دل میں تھا چاند آیا مگر بام تک نہیں

جاں قلب کے سانچے میں عجب طرح ڈھلی ہے
دھڑکن کی چوٹ آئی کبھی جام تک نہیں

آنکھوں کی پُتلیوں میں صنم ناچتے رہے
سوچا بُتوں نے رقص کا انجام تک نہیں

آبِ رواں میں دیکھا جو چہرے کو ڈوب کر
نکلا بھنور سے چاند کبھی بام تک نہیں

اَشکوں کے ساغروں میں غمِ زندگی عیاں
رنگین ساغروں سے ڈھلی شام تک نہیں

عکسِ خیالِ یار نظر میں سما گیا
لیکن کھُلیں حقیقتیں دو گام تک نہیں

شبنم کے آنسوؤں سے یہ کہتے ہیں برگِ گل
مالی چمن کو بیچ کے بدنام تک نہیں

کرتے ہیں ابتدائے جفا پیار سے وہی
معلوم جن کو چوٹ کا انجام تک نہیں

کھلتے رہیں گے پھول صلیبوں پہ روز و شب
یہ سلسلۂ دار کسی نام تک نہیں

دل ریزہ ریزہ ہو کے بھی ہے درد آشنا
پہنچا میں پھر بھی عالمِ الہام تک نہیں

○

مجھ کو مرے گناہ کی ہر دم سزا ملے
لیکن نہ میرے نفش کو اننی ہوا ملے

منزل کو دیکھتے ہی تیری یاد آگئی
رستے میں گرچہ لوگ بڑے بے وفا ملے

جن کی نظر میں شام کے دکھ غم سحر کے تھے
اُن کو دلوں کے درد میں چھُپ کر خدا ملے

اکثر سکون چاند سے ساگر کا چھن گیا
بے تاب چاندنی میں بڑے پارسا ملے

اِک جنبشِ خفیف سے ظالم نے خوں کیا
ابرو سے قتل کرنے کا کیوں خوں بہا ملے

دعویٰ جنھیں بہت تھا یہاں پارسائی کا
بُت بن کے دیکھتے ہیں جو کافر ادا ملے

اپنی ہی دھڑکنوں سے تڑپتا ہے یہ جہاں
زخمِ جگر سے مجھ کو نہ دل کی دوا ملے

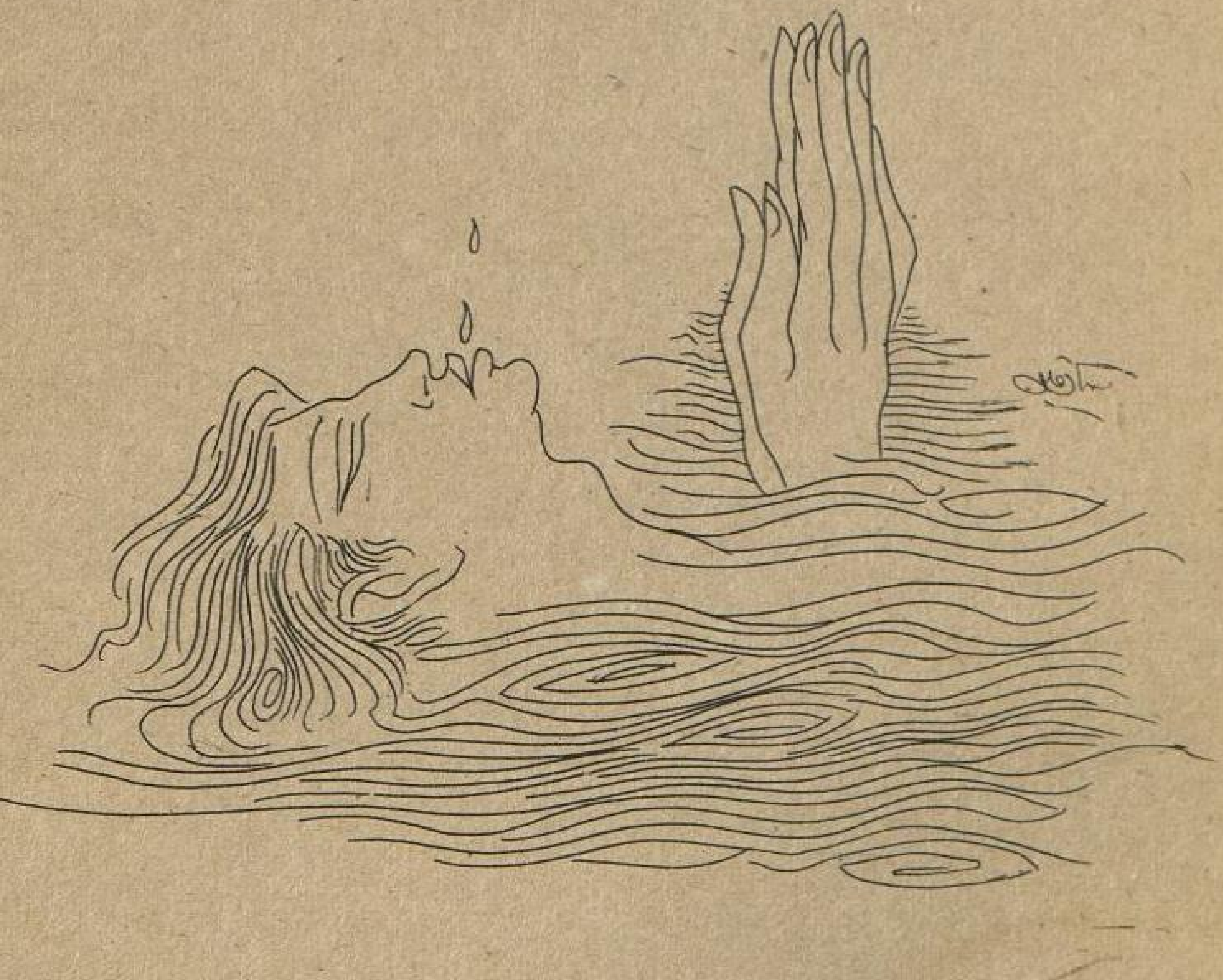
یہ آرزو ہے دل میں کہ منزل کو دیکھ کر
وہ زندگی وہ موڑ وہی راستہ ملے

○

دیوار کے سائے سے اک آنچ سی اُٹھتی ہے
پہلو میں مِرے غم کا سُورج نہ کبھی ڈوبا
کہتی ہے کرن مجھ سے کس آس پہ زندہ ہو
کیوں تجھ کو اندھیروں میں مرنا نہ کبھی سُوجھا
دُکھ درد کی دنیا میں دو گام پہ منزل ہے
اِک عمر ہُوئی کہتے اب آیا کہ اب آیا
اُمّید سی ہے دل کو آئے گا کسی دن تُو !
تقدیر کے مارے جا اب تُو بھی ذرا سُوجھا
اِس پیار سے دیکھا ہے جادو بھری نظروں نے.
دیکھا نہ کبھی ان میں بستا ہے کوئی دُوجا
وہ ساتھ نبھانے کے سب توڑ چلے پیماں
چل تُو بھی فسانے کو اِک موڑ نیا دے جا
ہے اُن کی وفا وقتی اور اُن کی قسم جھُوٹی
کب خونِ جگر ہو گا دل کو یہ رہے دھڑکا



دیتے ہیں آسمان کو ہم رات بھر دعائیں
ہونٹوں پہ قطرہ قطرہ گرتی رہی ہے شبنم



○

مجھ کو ترے خیال نے دھوکا دیا نہیں
میرا حقیقتوں سے کوئی واسطہ نہیں

جب سے تری نگاہ میں دیکھی غموں کی رات
تارا مری نظر سے کوئی ٹوٹتا نہیں

بدنام کر رہا ہوں تجھے اس لیے کہ آج
دیوانگی سے میرا کوئی واسطہ نہیں

شبنم نے رو کے تازہ کیے ہر چمن کے داغ
گزری شبِ فراق مگر گُل کھِلا نہیں

پتھر تراشتے ہیں یہاں دھڑکنوں کے ساتھ
بُت بن گیا تو ٹوٹنے کا دل گِلہ نہیں

ساقی غموں کی آگ میں جلنے بھی دے مجھے
میری وفا کا ساغر و مینا صِلہ نہیں

دل جو بھی دیکھتا ہوں وہی داغ داغ ہے
مجھ میں چمن کو دیکھنے کا حوصلہ نہیں

○

سب آرزوئے خام سے مغلُوب ہو گئے
چہروں کو دیکھ شیشے بھی محبُوب ہو گئے

اپنے کیے کا دیکھا جو ہوتا نہیں علاج
عقل و خرد کو چھوڑ کے مجذُوب ہو گئے

جن جن سے دوستی تھی وہ سب دُور جا بسے
دشمن جو جان کے تھے وہ مطلُوب ہو گئے

منصور نے کہا مگر عیسیٰ خدا بنے
دونوں خدا کے بندے تھے مصلُوب ہو گئے

لکھا بیان خون سے مطلب نکھر گیا
جتنے ہیں لفظ دیکھ لو مقلُوب ہو گئے

اپنے کیے پہ آئی نہ جن کو کبھی حیا
آئینہ دیکھ آج وہ محجُوب ہو گئے

دشمن کی شان آج نہ وہ دوستی کا رنگ
کیسے ترے جہان کے اُسلُوب ہو گئے

دل میں نہ آج درد نہ وہ شدّتِ بیاں
فکر و خیال و وہم بھی مسلُوب ہو گئے

○

دل قلزمِ ہستی ہیں کئی ایسے گہر ہیں
جو مل نہ سکے ڈوب کے بھی غوطہ زنوں کو

اِک چاند کے جوبن پہ سمندر بہت مچلے
پھینکا ہے کنارے پہ کئی سیم تنوں کو

ہیرے کی چمک جس سے کئی وا ہُوئیں آنکھیں
لے ڈوبی ڈُہی آج کئی کوہکنوں کو

دنیا کو اطاعت کی نئی راہ دکھا کر
سر دیکھ اُٹھا کر وہ چلے رام بنوں کو

احساس کی شدّت سے ہُوئی ساری خرابی
سوچوں کے سپنولوں نے ڈسا آج منوں کو

کم حوصلہ اتنا نہ کبھی دل یہ ہُوا تھا
منزل کے نشاں دیتا ہے اب راہ زنوں کو

○

فکر و نظر کا فائدہ پنہاں کسر میں ہے
کون و مکاں کا حسن ہی زیر و زبر میں ہے
مانوس نین ہو گئے ساغر سے اس قدر
ہر چند جام خالی ہے لیکن نظر میں ہے
مدہوش ہو کے آنکھ یوں پتھر سے جا لڑی
بُت بن کے دیکھتی ہے جو صورت خبر میں ہے
دل میں مرے سما گیا سارے جہاں کا غم
لائے گا رنگ خون جو میرے جگر میں ہے
لوح و قلم کا راز نہاں موت میں نہیں
ہم جانتے ہیں سب جو قضا و قدر میں ہے
آنکھوں کی آگ شبنمی اشکوں میں بہہ گئی
لیکن تڑپ صدف کی تو آب گہر میں ہے

بلبل و نہار آج بھی اپنے وہی ہیں دوست
جو شام سے بڑھی ہے وہ تلخی سحر میں ہے

اپنی تو راکھ کو بھی زمیں پر سکوں نہیں
تسکیں سے جل رہا ہے جو شمس و قمر میں ہے

پورا ہوا جو چاند تو یوں شمع غم جلی
پھیلی خنک ہے چاندنی ٹھنڈک شرر میں ہے

ہستی کا راز گردشِ دوراں میں ہے نہاں
منزل کو پالیا ہے تو منزل سفر میں ہے

اندازہ کوئی آتشِ دل کا نہیں ہوا
اب جانتے ہیں لوگ جو گرمی جگر میں ہے

مجھ سے نہ دور ہوگا میری عقل کا فتور
دل فتنہ جہاں ہے تو میرے اثر میں ہے

ف جو ہر۔ جگر

○

من کے اندر بھی تنہائی من کے باہر بھی تنہائی
دھڑکن سے جب چوٹ لگے تو سوچوں دے یہ کون دہائی

بستی بستی گھور اندھیرا پھر بھی روشن میری آنکھیں
دیکھ رہا ہوں حیرت سے میں جگنو پکڑے ایک خدائی

من کی کھنے آجاتے ہیں مے خانے میں شیخ اور ناصح
ایک شرابی سوچ رہا ہے میں ہوں یا دُنیا سودائی

بے دردی ہیں سوچیں اپنی پاگل دنیا یہ کیا جانے
اپنی آگ میں سب جلتے ہیں سوچ نے ہر سُو آگ لگائی

جلنا ہی جب حاصل ٹھہرا تاریکی میں پھر کیا جلنا
پروانوں نے جل کر آخر شمعِ عالم تاب جلائی

آنکھیں مل جانے پر بچھڑے اپنے خواب جنم کے ساتھی
شام کی نظروں میں پھر مستی جانے کس کی شامت آئی

میں کہتا ہوں لے بیٹھے ہو پھر کیوں اپنی رام کہانی
ایک ہی رونا ایک ہی دُکھڑا بس کر سو جا نیند ہے آئی
ساری دنیا سے تُو افضل سارے جگ سے تُو ہے برتر
ایک بھکاری نے کچھ نقدی گن کر پھر آواز لگائی
کتنی کاریں گزری ہوں گی اُس کے سینے سے کیا جانوں
میں بس اتنا جان سکا ہوں ایک گدھے نے لاش اُٹھائی
بدنامی کے ڈر سے دنیا ہونٹوں کو تو سی لیتی ہے
آنکھیں جو چپکے سے کہہ دیں کہتے ہیں کہ بات بنائی
دل کی ویرانی ہے ایسی اپنی دھڑکن سے ڈر جائیں
رونق پھر چہروں پر کیسی ہونٹوں پر جب ہائے دُہائی!

○

دل میں جو سدا رہتا ہے انساں تو نہیں ہے
نظروں نے کہا جو بھی ہے یزداں تو نہیں ہے

بیٹھا ہے ترے در پہ جو درباں تو نہیں ہے
گھربار کا مالک ہے یہ رضواں تو نہیں ہے

پتّوں کے بغیر آج ہیں گُل دار پہ عریاں
یہ رنگِ چمن تنگیٔ داماں تو نہیں ہے

سینے میں چبھے خار بھی پوچھیں یہ جہاں سے
گلشن میں کوئی چاک گریباں تو نہیں ہے

شبنم کو سدا خون رُلاتا ہے زمانہ
سُورج کی کرن درد کا درماں تو نہیں ہے

نظروں میں کئی آج ہیں خود کام بگولے
سانسوں میں کہیں گردِ بیاباں تو نہیں ہے

نظروں میں نہ کچھ شرم ہے باقی نہ حیا دیکھ
جو داغ ہے دامن پہ وہ پنہاں تو نہیں ہے

پروانے چلے آئے ہیں کیوں خود کو جلانے
محفل میں کوئی شمعِ فروزاں تو نہیں ہے

ہر وقت یہ دھڑکن سی لگی رہتی ہے دل کو
دنیا کہیں ظالم مرا ایماں تو نہیں ہے

آتی ہیں کئی روشنیاں روزنِ غم سے
دل درد کا روضہ ہے یہ زنداں تو نہیں ہے

○

رفتہ رفتہ بے مروّت مہر و مہ تارے ہُوئے
اس جہاں میں اپنے دشمن آسماں سارے ہُوئے

میری حالت پر بہاتے تھے جو آنسو خون کے
روتے روتے وہ بھی آخر موت کو پیارے ہُوئے

گُل رخوں کی آگ سے سارا چمن ہے شبنمی
خار سینے میں چبھے تو آنکھ کے تارے ہُوئے

موت سے نظریں چرا کر چین ملتا ہے کہاں
جی نہیں سکتے سکوں سے ہمّتیں ہارے ہُوئے

جا رہا ہے لُوٹ کر دل دھڑکنوں کا رازداں
کس طرف جائیں بتا اب درد کے مارے ہُوئے

○

نَفَس کو مل ہی گئی آج خواہشوں کی زباں
سُنے گا کون تری درد مند آہ و فغاں
ہزاروں سال سے شرم و حیا کے پردے اُٹھائے
کھڑی سلومی ہے وینس کے روپ میں بھی نہاں
عروجِ حُسنِ مجسّم ہے اب بھی تارِ نظر
ہے اپنے تیشے کی اس چوٹ کا علاج کہاں
یہ عشق آج بھی دنیا میں ڈھونڈتا ہے بہت
وہ رنگ و روپ کہ باقی نہیں ہے جس کا نشاں
ہے زندگی میں تلاطم نہ زندگی میں سکوں
نظر کے پاس نہ شعلہ نہ حسرتوں کا دھواں
سجا کے چاروں طرف دیکھ رنگ و بُو کی دھنک
چمن سے بھاگتا ہے دور اب یہ سارا جہاں
لو آج دل نے کہا سُرخ یہ شراب نہ پی
ملے گی تجھ کو نگاہوں سے یہ شراب وہاں

پیشانی مری چوم کے اک آگ لگا دی
قسمت کی لکیروں سے بی راکھ ہٹا دی

ملتے ہی نظر تو نے مری پیاس بڑھا دی
جب جلنے لگا جسم تو پلکوں سے ہوا دی

قطرے نے سمندر کے اندھیروں کو نظر دی
ساحل کی صدف لہر نے تقدیر جگا دی

دیکھا نہ گیا جلوہ ترا ہوش و خرد سے
مجنوں نے مگر دیکھ کے دُنیا کو جِلا دی

جس مے کا نشہ اور مزا کچھ بھی نہیں تھا
ساقی نے مجھے آج وہ دھوکے سے پِلا دی

نظروں نے پلائی ہے مجھے زہر بھری مے
ساغر میں تری بات کی تلخی بھی مِلا دی

روشن نہ ہوئے چاند کے داغوں سے اندھیرے
سُورج پہ لگے داغ نے دُنیا کو جِلا دی

پہلے تو قبا کھول کے در بند کیا دل
پھر زلفِ گرہ گیر کی زنجیر لگا دی

مُلّا کی سُنی بات نہ کچھ رند کی مانی
ایماں بھی گیا ساتھ ہی دُنیا بھی گنوا دی

دُنیا تو نئے روپ دکھانے ہی لگی تھی
آنکھوں کی مگر وقت نے بینائی گھٹا دی

مانا کہ ترے ظلم و ستم بھول گیا ہوں
یہ کس نے کہا دل نے تری یاد بھلا دی

○

نظروں کو جب بھا جاتے ہیں یوسف سے دلدار یہاں
سُوت کی انٹی بھی چلتی ہے ایسا ہے بازار جہاں

اپنی مرضی سے جب ہم نے ایک چُنا دلدار یہاں
ساری دُنیا دشمن ہو گئی جینا ہے دشوار جہاں

کس کے سانسوں کی تھی خوشبو کس کا تھا وہ پھول بدن
گلزاروں میں شبنم روئی دوزخ جیسی نار جواں

سارے مُہرے پٹتے دیکھوں پر نہ ہو گی مات اُسے
ایسی بازی کھیل رہا ہے جیت کھلی نہ ہار عیاں

پھول بدن اور کومل کلیاں رنگ و بُو کی بات کریں
جن کے دم سے خوشبو پھیلی اُن کا تو ہے دار نشاں

چاند ستاروں کا جب آنچل لیلیٰ اوڑھ کے بین کرے
صحرا صحرا مجنوں روئے دریا دل وہ یار کہاں

O

ہے سانسوں کے ہیجاں میں اک دل کا گرم لہُو

یک رنگی دنیا بھی ہے ست رنگوں کی ہی بُو

دو گھڑیوں کی مہماں ہے دُنیائے رنگ و بُو

پھر ہوں گی ناگن راتیں کاٹیں گی کُو در کُو

لے آیا ہے طوفاں یہ کیوں موج میں آیا تُو

تجھ کو بھی لے ڈُوبے گیا ساحل کے رنگ و بُو

اے مٹی کے انساں ہے نظروں میں نُور تری

قسمت میں نار لکھی جو نہ دیکھ سکے گا تُو

جب جل جائے کھلیان تو یوں راکھ تُو سر پر ڈال

ہر انگ بھبھوت رما کے کر اللہ اللہ ہُو

بیدار ہوئے جب ارماں یہ شوق نظر کو تھا

سرگرم سویرا پھیلے دنیا کے چاروں سُو

دل درد سے ہے بے جاں سا ہے دیکھ لبوں پہ دم

ہاتھوں سے چھوٹ نہ جائے دھڑکے رنگین سبُو

○

پہلو پہلو ایک قیامت کروٹ کروٹ اک طوفان
ساحل ساحل بیچے موتی سیپی سیپی ایک جہان

ترچھی ترچھی نظریں ظالم قاتل قاتل ان کے بان
ابرو ابرو ایک کماں ہے مژگاں مژگاں ہے پیکان

آتے آتے آجائے گی چہرے چہرے پر مسکان
جاتے جاتے ہی جائے گا بستی بستی سے شیطان

چپکے چپکے شبنم رو کر ڈرتے ڈرتے کلیاں دھوئے
سہما سہما بوٹا بوٹا گلشن گلشن ہے ویران

چلتے چلتے سوچ رہا ہے بیٹھا بیٹھا در دبائے
رکتے رکتے ہی رکتا ہے سایہ سایہ دنیے ہرماں

ہنستے ہنستے رو دیتا ہے روتے روتے سو ہی جائے
آنسو آنسو میں لرزے ہے دیکھو دیکھو ایک زبان

باتوں باتوں میں کرتا ہے مطلب مطلب کی ہر بات
لمحہ لمحہ یہ کہتا ہے بندے بندے کو پہچان

شانے شانے گیسو بکھرے اودی اودی دیکھ گھٹائیں
بادل بادل نے گھیرا ہے برسو برسو میری جان

ٹھہرو ٹھہرو ہاتھ کو روکو مانو مانو میری بات
بوتل بوتل توڑ رہے ہو ساغر ساغر اور پیمان

مدھم مدھم دل کی دھڑکن اکھڑے اکھڑے تیرے سانس
بیٹھو بیٹھو کچھ تو بیٹھو کھوئے کھوئے سے انسان


گہری سوچ میں ڈوب کے شیشہ بن گئی جھیل خیالوں کی
حیرت سے اب دیکھ رہا ہوں آب و تاب جمالوں کی

○

جو اپنی حکایت بھی کہہ دوں میں فسانے میں
کیا لطف رہے باقی سُننے میں سُنانے میں

تھے بھید کئی پنہاں آنکھوں کے ملانے میں
اِک رازِ نہاں اب ہے نظروں کے چُرانے میں

لازم ہے رہے دل میں اک چور چھپا ورنہ
پھر فرق بھلا کیسے ہو یار پُرانے میں

یہ کہہ کے مجھے اُس نے نظروں سے گرایا ہے
ہے ہوش ابھی باقی کم بخت دوانے میں

تاریک زمانہ جب شعلوں سے اماں مانگے
بجھ جائیں مگر ہرگز آئیں نہ بہانے میں

اُس سے مجھے الفت ہے بدنام کروں کیسے
جاں پر بھی جو بن جائے ہے عار جتانے میں

دلؔ ایسی ہی اک شے ہے مشکل سے ہی ملتی ہے
ناچیز کی اُلفت بھی نادر ہے زمانے میں

○

ٹپکے لہو قلم سے اگر آنکھ سے جنوں
پھر زندگی کے چہرے پہ نکھرے خرد کا خوں
کیوں نقشِ معنوی کے سبھی رنگ ہیں خموش
ہے وقت بولنے کا یہ قرطاسِ پُرسکوں
جس نے نہ زندگی سے کبھی کچھ سبق لیا
اُس بے زبان شخص سے میں بات کیا کروں
صدیوں سے چل رہا ہوں جہاں میں اُٹھا کے سَر
کب دیکھیے گناہوں سے ہوتا ہوں سرنگوں
رکھتا گیا ہے شعبدہ گر ہاتھ پر کرن
سُورج مگر وہ لے گیا اس بات سے ڈروں
حرفوں کا جوڑنا نہ کبھی آئے گا مجھے
یہ آدمی نہیں ہیں کہ میں ان کا خوں کروں
اپنے قلم کی نوک پہ ہے اک سیاہ بُوند
تاریکیوں کی مانگ میں کب تک فشاں بھروں
قدغن ہے جستجو پہ مری سوچ ہے غلام
دل کو میں اپنے ساتھ کہاں تک لیے چلوں

○

جلا کے دل کا دیا گھر کو میں بچا نہ سکا — لگی جو آگ تو پھر میں اُسے بُجھا نہ سکا
کبھی تو اہلِ خرد اس قدر قریب رہے — کبھی جنوں کی یہ حالت کہ کوئی آ نہ سکا
ترے خیال میں ڈوبا تو وہ اندھیرا ہُوا — حقیقتوں کے دیے پھر کبھی جلا نہ سکا
مری نگاہ میں رہ کے بھی دُور دُور رہا — قریب ہو کے بھی میں فاصلے گھٹا نہ سکا
سراب تیری نگہ کے اندھیرا کر کے رہے — سمندروں کی حقیقت کو کوئی پا نہ سکا
ترے خلوص کے آنسو بھی کام آ نہ سکے — بھگو کے دامنِ ہستی کو میں سُکھا نہ سکا
نصیب آج بھی میرا قلم سیَہ ہی سہی — کوئی بھی حرف مگر اس سے منہ چُھپا نہ سکا
ہے بے کسی کا وہ عالم کہ جب تو جانے لگا — چھلک پڑے ہیں یہ ساغر مگر لُنڈھا نہ سکا
ترے خیال میں گالوں کے یوں گلاب کِھلے — کہ خون چہرے پہ رنگت کبھی وہ لا نہ سکا
شبِ وصال میں حسرت کا چاند پُور ہُوا — پڑی ہے چاندنی پیروں میں سر اُٹھا نہ سکا
زبان آج بھی شیریں ہے تیری مانا مگر — غمِ حیات کی تلخی تو یہ مٹا نہ سکا

گیا ہے لُوٹ کے وہ اس طرح سے دولتِ دل
کوئی بھی دھڑکنوں کے راز پھر چُرا نہ سکا

○

دھڑکنیں بڑھ جائیں دل کی آسماں جب لال ہو
زندگی کے جامِ رنگیں میں نہ آیا بال ہو

لذّتِ غم سے پھڑکتی ہے رگِ جاں دم بہ دم
ہر گھڑی تخلیق سے پھر کیوں نہ مالا مال ہو

اپنی کملی میں مگن ہیں دین و دُنیا کے مکیں
ہیں یہ ایسے ساز جن کا عارضی سُر تال ہو

منزلیں ملتی ہیں راہوں میں اگر ہوں ٹھوکریں
آبلہ پائی میری کیوں زندگی کی چال ہو

اے زمانے خستہ حالوں کو حقارت سے نہ دیکھ
کون جانے بیکسوں کی گدڑیوں میں لعل ہو

میرے ماضی کی چلا ہے ٹوٹ کے وہ عظمتیں
آنے والے لوگ دیکھیں گے مرا جو حال ہو

آسماں کی گردشوں میں گم ہوئے انجم کئی
روشنی کا یہ زیاں تو ہر گھڑی ہر سال ہو

آئینے کی سمت بھی جاتا نہیں جن کا خیال
دل کے شیشے پر نظر رکھتی ہے شاید بال ہو

اس جُدائی کی تڑپ اب کس طرح دکھلائے دلؔ
مچھلیوں کو دیکھیے کھنچتا ہُوا جب جال ہو

مل تو گیا تھا آپ کا نامہ مجھے مگر میرے قلم کی نوک پہ ہے وقت کی خبر
سنبھلا ذرا جو سانس تو تڑپا ہوں یاد سے دھڑکن بڑھی تو چونک کے دیکھا اِدھر اُدھر
کب تک رہے گا سوچ میں ڈوبا ہوا جہاں اِس کشمکش میں ہے مری ہر شام ہر سحر
آیا ترا خیال تو یہ فکر پھر ہوئی کس حال میں ہو جانے کہاں آئے تو نظر
ہے گردشِ زمانہ پہ رنگِ جنوں عجب چلنے لگی زمیں بھی چلا آسماں جدھر
کیا ہو گئے وہ لوگ کہ جن میں خلوص تھا شبنم سوال کرتی ہے پھولوں سے رات بھر
ٹہنی پہ ایک پھول تھا مرجھا کے رہ گیا جس ہاتھ کی اُمید تھی جانے گیا کدھر
ہمّت کی ڈور موت کا پھندہ نہ بن سکی یوں لے چلی ہے باندھ کے وہ پیار کی نظر

مجھ کو وہ درد بخش گئے زندگی کے غم
دل کو سکوں ملا تو تڑپنے لگی نظر

حسرت بھری نظر میں غم سر بسر عیاں ہے
ہستی کا راز پھر بھی کہتے ہو تم نہاں ہے

رنگین زندگی کا ہر لمحہ جب جواں ہے
نرگس کے بخت میں پھر کیوں چشمِ نیم جاں ہے

جلتی رہیں گی راتیں گلرنگ روشنی سے
جب تک مری رگوں میں آتش فشاں رواں ہے

یوں تیرا آنا جانا مجھ کو نہیں گوارا
بے کیف ہیں بہاریں نے لذّتِ خزاں ہے

تیری نظر میں کاجل ہے موت کا اندھیرا
رنگین روشنی سے تاریک تر دھواں ہے

نفرت بھرے قلم سے لفظوں کا خوں ہے جاری
کہنے کو زندگی کی رنگین داستاں ہے

جب ابتدائے انساں اک حادثہ ہی ٹھہری
اُٹھے ہے جو قیامت پھر کس کا کیا زیاں ہے

بہروپ ہے یہ دنیا رہبر یہاں لُٹیرے
شیشہ بھی جو دکھائے پھر عکس بھی گماں ہے

ساری فضا پہ آخر چھائیں اُداس نسلیں
میری نظر میں ہر سُو اُجڑا ہوا سماں ہے

نے درد میں وہ شدّت نے غم ہی دیرپا ہے
احساس مر چکا ہے کہنے کو دل جواں ہے

○

رہتے ہو دل کے پاس مگر پاس دل کہاں — دل میں مکین کوئی نہ دل کا کوئی مکاں
گُل کی تو ہے بہار میں شبنم سے تر زباں — بُلبُل مگر ترستا ہے کہنے کو داستاں
سجدے ہوئے بتوں کو تو پتھر بنے خدا — کعبے سے اب نکل کے یہ دل میں ہوئے نہاں
رہتی ہے آرزو کے ہی پہلو میں جستجو — ہے آرزو بہار تو یہ جستجو خزاں
جب راستے کے موڑ پہ دیکھا ہے گھوم کر — حدِ اُفق سے پار تھے منزل کے کچھ نشاں
اُٹھی ہے موج چومنے چندا کی مورتی — ساحل صدف کی لوٹ کا اب آگیا سماں
رہبر بنا رقیب تو رستے میں ہر قدم — تاریک منزلوں کے دکھاتا گیا نشاں
سورج کے ڈوبنے پہ جو اُبھری ہے تیری یاد — پھر چاندنی کے سائے میں اُٹھنے لگا دھواں
ساقی نے سب بجھائے ہیں میخانے کے چراغ — اب داغِ دل جلاؤ کہ روشن رہے جہاں

پہلو میں جو دھڑکتا ہے قاتل ہے دل وہی
اِس بے وفا سے رہتا ہے ہر شخص خوش گماں

بزمِ ہستی اِک ہنگامہ   چشمِ پُرنم اک افسانہ
خونِ ناحق گردن گردن   قاتل جانیں جان بچانا
سُوکھے چہرے بستی بستی   خالی بوتل اور پیمانا
پلکیں گھیریں نُور کے چشمے   ساتھی سایو ساتھ نبھانا
غم کے سائے گھرے ملبے   روشن چہرے ایک بہانا
آس کے پنچھی روٹھے روٹھے   نااُمّیدی دانہ دانہ
سارے عاقل کتنے پاگل   سوچ رہا ہے اک دیوانہ
مے شرمائے بوتل بوتل   ساقی لرزے رند پُرانا

دل کی دُنیا آئے بسانے
دے گئے یادیں اور ویرانہ

○

خود زخم لگا کر وہ تڑپے ہے بھلا کیا کیا
پوچھے ہے طبیبوں سے کرتے ہو دوا کیا کیا

ہر رات کو پوجا ہے مومن نے خداؤں کو
اب کرتا ہے مسجد میں سو دے وہ بھلا کیا کیا

انساں نے تراشے جو بُت پوجے گئے سارے
تخلیق یہ کرتا ہے مرمر کے خدا کیا کیا

تُو نے جو سنائے ہیں افسانے زمانے کو
کچھ اُن میں حقیقت ہے باقی ہے بھلا کیا کیا

انساں کی خدائی میں سُنتا نہیں کوئی بھی
اور تیری خدائی میں اُف میں نے سُنا کیا کیا

چاہت میں کنواں پہلے پھر ڈور بڑھاتے ہیں
پیاسوں سے کوئی پوچھے ملتا ہے مزا کیا کیا

مسجد سے نکل آیا مُلّا تو تہی دامن
پتھّر کے پجاری کو پتھّر سے ملا کیا کیا

اِک شوخ سمن بر کے ہاتھوں میں مرا دل ہے
پیروں سے شفق پھوٹے ہیں رنگِ حنا کیا کیا

○

دل کی دوکاں سجا کر بیچے لہُو کے موتی
گاہک تمہیں بنا کر آنکھوں کی جوت کھو دی

منجدھار میں صدف ہے ساحل پہ چننے والے
پلکوں پہ جیسے چمکیں دل کی تڑپ کے موتی

شب بھر سُنائیں میں نے تاروں کو تیری باتیں
کانپیں وہ ڈر کے مارے پوچھیں سحر نہ ہو گی

سمٹی ہے جب سیاہی یادوں کا ساتھ چُھوٹا
سُورج نے میرے دل میں کرنوں کی تیغ گھونپی

کِھلنے سے پہلے کلیاں کچھ سوچ ہی رہی تھیں
بادِ صبا نے فوراً شاخوں کی پیٹھ ٹھونکی

شاخوں پہ روٹی کلیاں بکھرے گلوں کے لاشے
بنتی خزاں نہ کانٹا جوبن بہار ہوتی

ساغر نہ کام آئے بے کار تھے چراغ
شب کی سیاہی آخر شبنم نے رو کے دھو دی

جلتی ہوئی یہ آنکھیں پلکوں پہ ٹھنڈے آنسو
دشتِ وفا میں جیسے چشموں پہ شام اتری

شاخوں پہ بند کلیاں کھلنے سے ڈر رہی تھیں
گلچیں نے پا کے موقع پھولوں سے بھر لی جھولی

گہرا ہے کتنا دل کا ساگر کوئی بتائے
میں نے تو ہر صدف میں موتی کی آب رو دی

○

گھبرا جو خیالوں نے تڑپا شبِ تنہائی
اس دل میں قیامت تھی برپا شبِ تنہائی

کیا دشت میں آندھی بھی وحشت پہ زمانے کی
تنہائی میں گزری ہے تنہا شبِ تنہائی

ویرانوں میں رو دیا جب سب سُوکھ گیا پانی
جب خشک ہُوئی آنکھیں ترسا شبِ تنہائی

گلچیں نے اندھیروں میں کلیوں کو رُلایا ہے
بُلبُل کے چُبھا دل میں کانٹا شبِ تنہائی

عالِم کو زمانے میں نکتوں نے جو گھیرا ہے
گردش میں رہا دن بھر بھٹکا شبِ تنہائی

دُزدیدہ نگاہوں نے دنیا کو چرایا ہے
ہر چور کو رہتا ہے کھٹکا شبِ تنہائی

بادل کے چھپانے سے کیا برق بھلا چھپتی
زلفوں کے خیالوں میں تڑپا شبِ تنہائی

یہ عالمِ خاموشی آہوں سے لگے ڈر سا
پتّا بھی نہیں کوئی کھڑکا شبِ تنہائی

یادوں کے خزانے کو رکھتا ہوں نگاہوں میں
رہتا ہے لگا دل کو دھڑکا شبِ تنہائی

○

کعبے سے کم نہیں ہے میرا مکاں پرانا
دل کی عبادتوں کا گزرا جہاں زمانہ

ہر اک روش سے آئے تیری ہنسی کی خوشبو
تیری ہی آہٹوں سے دھڑکے ہے آشیانا

تتلی نے ہر کلی سے کہہ دی مری کہانی
قوسِ قزح سے رنگیں ہوتا گیا فسانا

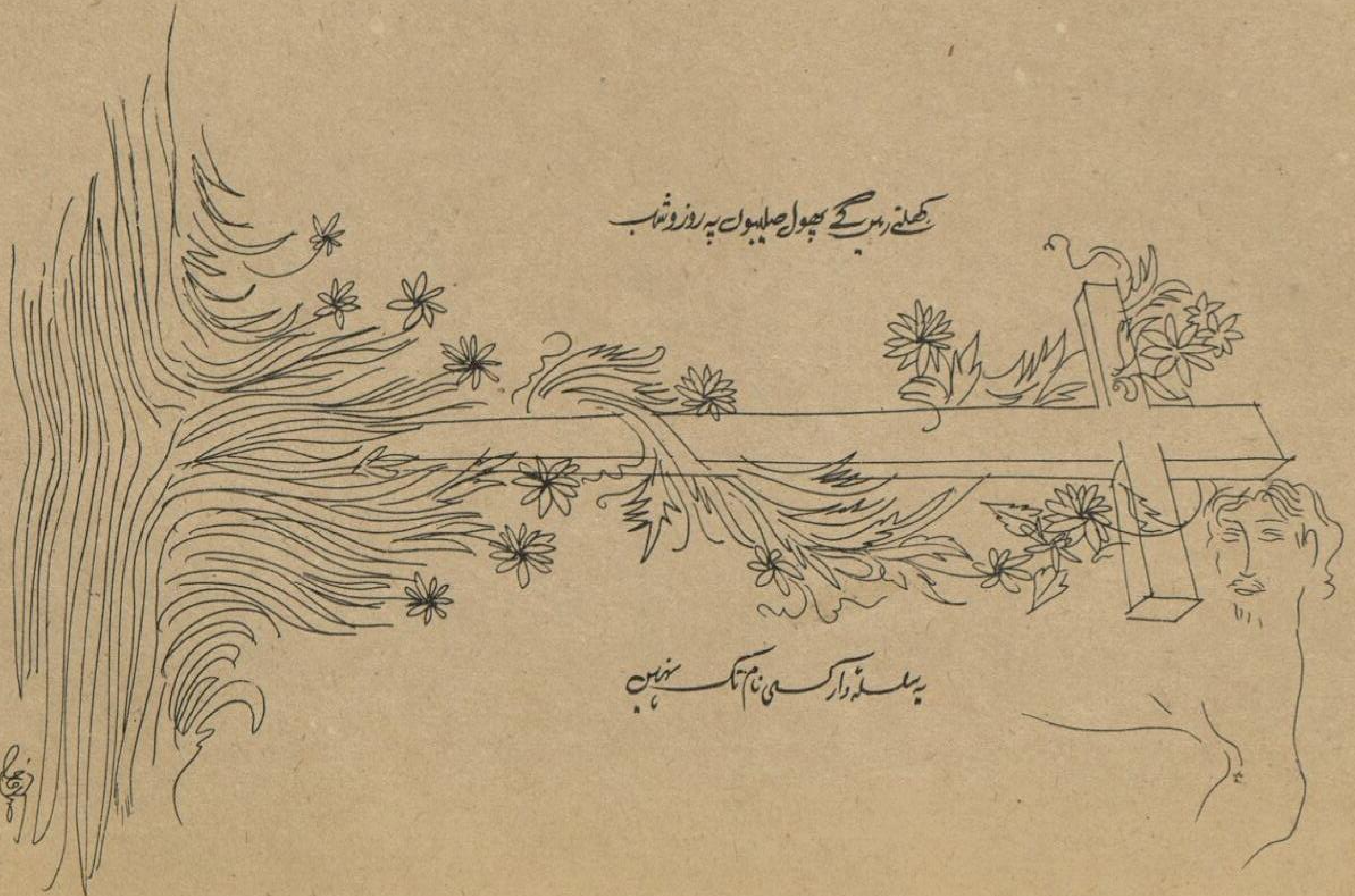
مستی بھرے بدن کی خوشبو میں کھو گئے ہم
مدہوش ہو کے ہم نے نظروں کا راز جانا

سارا چمن گواہی دے گا مرے غموں کی
شبنم سے ہر کلی نے سیکھا ہے مُسکرانا

میں نے ترے غموں کو دل میں بسا لیا ہے
مجھ کو ملیں وہ خوشیاں جن کا نہیں ٹھکانا

○

دل سے یہ دنیا بستی ہے ورنہ اس کی کیا ہستی ہے
خاک زمیں کی دیکھ فلک پر شانِ بلندی کی پستی ہے
آوارہ ہیں سب سیّارے دُنیا بھی تو اک گشتی ہے
دیکھ گلوں کے رنگ اُڑے ہیں گلچیں کی سب خرمستی ہے
پہلے مہنگی تھیں سب قدریں اب عزّت کتنی سستی ہے
محور نظروں کا چکّر ہے نقطہ مرکز کی ہستی ہے
شبنم پی کر کلیاں بہکیں سرخ سویرے کی مستی ہے
نظروں نے طوفان اُٹھائے
دل کی ہر دھڑکن کشتی ہے


کھلتے رہیں گے پھول صلیبوں پہ روز و شب
یہ سلسلۂ دار کسی نام تک نہیں

○

شیشے میں دیکھتا ہوں میں چہرہ حیات کا
صورت پہ رنگ آ ہی گیا حادثات کا

کلیاں سحر کے ہوتے ہی رونے لگیں لہو
سورج کو دیکھتے ہی اُڑا رنگ رات کا

ذلّت سے پوری قوم کا چہرہ سیہ ہُوا
سب کچھ کیا دھرا ہے یہ اپنے ہی ہات کا

جھکتے ہی وہ نگاہیں تو دل میں اُتر گئیں
ہے جیتنے کا اور مزا اور مات کا

آدم کو خوار کر کے بھی حوّا کہے سُنو
کرنا کبھی بھروسہ نہ مردوں کی ذات پر

آنکھوں کی روشنائی کتابوں نے چاٹ لی
قصّہ طویل ہوتا ہے چھوٹی سی بات کا

سارے چمن کی آبرو سورج نے لُوٹ لی
گلچیں کا ڈر نہ خوف ہے کلیوں کو رات کا

فتنے ہیں سب نظر کے یہ دھڑکن کو ہے خبر
دل پر اثر ہُوا نہ کسی واردات کا

○

کہتے ہیں آج اہلِ خرد بات بات پر
دار و مدار علم کا ہے ذات پر
بازی کا انحصار ہے اپنی بساط پر
غالب ہے مات جیت پہ اور مات مات پر
نکتہ نظر نہ آئے تو آنکھوں کا کیا کروں
بھاری ہے دن پہ دن تو کبھی رات رات پر
پل بھر کا یہ ملاپ ہے یا زندگی کا ساتھ
ہے مُنحصِر خلوص پہ اور ساتھ ساتھ پر
اہلِ نظر کے ہاتھ میں ہے دامنِ جنوں
پاگل کی آنکھ دیکھ رہے اب ہاتھ ہاتھ پر
دل نے فریب کھائے ہیں ہنس کر ہزار بار
روتی ہے عقل بیٹھ کے کیوں گھات گھات پر

○

فرصت کہاں ہے گردشِ ایّام سے مجھے
کیوں واسطہ ہو کوئی ترے نام سے مجھے

میں ہی تو سارے عالمِ خاکی کا نور ہوں
دن رات سے غرض نہ کوئی شام سے مجھے

کوئی بھی دل کی بات میں اب مانتا نہیں
رکھا ہے دور عقل نے اِلہام سے مجھے

تاریکیوں میں ڈوب کے اُبھرا ہے پھر سے چاند
آ تو بھی دیکھنے کے لیے بام سے مجھے

پیتا ہوں میں تو اشک بھری آنکھ سے شراب
مطلب نہیں ہے کوئی کسی جام سے مجھے

مجھ کو قفس میں ڈال کے صیّاد قید ہے
آزاد کر گیا ہے مرے دام سے مجھے

پہلو میں تجھ کو پا کے بھی دل بیقرار ہے
کس روز نیند آئی ہے آرام سے مجھے

○

بات کر کے آ رہا ہوں — اور بہت پچھتا رہا ہوں
آئینہ حیرت زدہ ہے — نقش بنتا جا رہا ہوں
باغ اُجڑا دیکھ کر میں — گُل رُخوں کو لا رہا ہوں
سنگدل اپنا بنا ہے — بُت بنا میں جا رہا ہوں
آسماں روتا رہے گا — بن کِھلے مُرجھا رہا ہوں
شیشۂ رخسار کو میں — آئینہ اب دِکھلا رہا ہوں
واپسِ منزل ہوں میں — گرد بنتا جا رہا ہوں
زندگی دیوار ہے یہ — سایۂ بنتا جا رہا ہوں
بوجھ بڑھتا جا رہا ہے — پھر بھی چلتا جا رہا ہوں
شمعِ کشتہ جل پڑے گی — گُل تراشے جا رہا ہوں

اب نظر میں کیوں دھواں ہو
دل جلا کے آ رہا ہوں

○

ڈُنیا نے وہ رنگ بکھیرے دیکھ دھنک بھی شرمائے
سات سُروں سے آگ لگا کر ساون بھی اب ترڑپائے

جسم جوالا نفس ہیں شعلے دل دریا میں آگ لگی
وقت کا دھارا لے جاتا ہے ساتھ ہی لہروں کے سائے

چاندی سے جو زرد ہوئے ہیں سونے جیسے چاند بدن
شام سے پہلے بکنے والے رات پڑی، تو گھبرائے

دھوکا ہے نظروں کی مستی نین ترے ہیں کجرا رے
چھلکیں گے جب نین کٹورے کاجل سارا بہہ جائے

چاند کا ہالہ بن گئیں یادیں روشن تارے ماند پڑے
پُورا چاند بڑا ہے ظالم لہر لہر کو ترڑپائے

لوگ تماشا دیکھ رہے ہیں ہر اک آنکھ میں ہے ناگن
دنیا ایک پٹاری اس میں ناگن بیٹھی بل کھائے

تیر چلا کے دیکھ رہا ہے مجھ کو حیرت سے قاتل
ایسا خون کا رنگ نہ دیکھا جوں جوں بکھرے بھر مائے

کیسی آج بہاراں آئی رنگوں سے دل آگ لگی
گلشن پہ اک اوس پڑی ہے روشن چہرے مُرجھائے

○

یوں زمیں سے دُور دُور — آسماں نہ مجھ کو گھُور

ہو گیا وہ دل سے دُور — چشمِ آگہی نہ گھُور

آج ہیں نفَس تنُور — اُترے ہر گھڑی ہے پُور

کس کا خون لایا رنگ — دار پہ بھی آیا بُور

کہہ رہی ہیں مسجدیں — دیکھ آسماں پہ حُور

میں نہیں ہوں بُت پرست — میرا بس یہی قصُور

میرا دل ہے داغ داغ — انگ انگ چُور چُور

زندگی شبِ سیاہ — موت کی نظر میں نُور

چودھویں کے چاند کی — آنکھ میں بھی ہے فتُور

عقل آج بھی ہے گُم — یہ ہوا تجلی کہ طُور

عقل کی بھی مان بات
دل کہے جو سُن ضرور

○

وار داتوں کا طریقہ اور ہوگا　　دل تڑپنے کا نیا اب طور ہوگا
تیری محفل سے چلے آخر پیاسے　　ختم جانے کب یہ خالی دور ہوگا
آج کل کی روشنی ہے زرد کتنی　　اب اندھیروں کا اثر فی الفور ہوگا
آئنہ فکر و نظر سے گر گیا جب
صورتِ دل پر کہاں تک غور ہوگا

ق

لڑکھڑاتی ہے زباں کام و دہن میں　　تیری باتوں میں کہاں تک زور ہوگا
ہُو کے عالم میں مری آواز گونجی　　تا قیامت اب اِسی کا شور ہوگا
زندگی سے کر دیا بیزار جس نے　　آدمی جانے وہ کتنا بور ہوگا
شور کوّوں کا نہیں تو شہر بھر نے　　ناچتا جنگل میں دیکھا مور ہوگا
مسکرا کر وہ چُراتا ہے نگاہیں　　دیکھنا دل میں نہاں اِک چور ہوگا
موت سے نظریں ملا زندہ دلی سے
دل وگرنہ زندہ ہی در گور ہوگا

○

آخری دم ہے مگر دل کے دریچے نہ کھُلے
ہیں سدا سوچ کی دنیا میں رہا لب نہ ہلے
شبنمی رات میں کھلتے ہیں بکھرنے کے لیے
زندگانی ہے سزا موت سے شکوے نہ گلے
تیرگی میں تو جہاں کھِلتا رہا بکتا رہا
داغ دامن پہ لگے چاکِ گریباں نہ سلے
نہ مِلا چہروں پہ منزل کا مجھے کوئی نشاں
شیشے ٹوٹے ہوئے موجود تھے پتھّر نہ ملے
میری آنکھوں میں ہے ڈوبے ہوئے سورج کا سماں
رات ڈھلنے سے نگاہوں میں مری دن نہ ڈھلے
دامنِ شب تو جلا شمع کی صورت سے مگر
چاند کی ضو سے کہیں رات کے آنچل نہ جلے
ہم نے دنیا سے کبھی دل کا سکوں چاہا نہیں
اپنی دنیا میں ہیں ہم جیسے بھی ویسے ہی بھلے

اندھیری شب کو جلاتے ہیں شمع پروانہ
سحر دکھاتے ہیں ہستی کا دے کے نذرانہ

حضور آپ کا بالکل بجا ہے فرمانا
پرائی آگ میں جلتا ہے جو ہو دیوانہ

جنوں کے دشت میں مجنوں کو مل گئی منزل
خرد کے شہر میں بھٹکا ہوا ہے فرزانہ

صنم کدے میں ہیں اُس کے نہ جانے کتنے خدا
ہے بُت پرست خدا بھی یہ میں نے کب جانا

لہو کی آگ سے پتھر دلوں کو موم کیا
نظر کی چوٹ سے میں نے گرایا بُت خانہ

کہانی تھی جو حقیقت وہ کوئی سُن نہ سکا
لکھا ہے میں نے لہو سے دھڑکتا افسانہ

شبِ فراق میں ساقی تو میرے پاس رہا
وصالِ صبح سے اُجڑا ہے سارا میخانہ

کسی نے تلخ حقیقت کا زہر بھر نہ پیا
بھرا پڑا ہے نہ جانے یہ کب سے پیمانہ

چمن چمن کو بہاروں نے ایسے داغ دیے
کلی کلی کو پڑا ایک شب میں زخمانہ

دیارِ دل پہ ہے طاری سکوت کا عالم
نگاہِ شوق میں پھیلا ہوا ہے ویرانہ

○

جلنے لگی جو شمعِ سحر اک فسوں کے ساتھ
بجھنے لگا یہ دل کا دیا اک جنوں کے ساتھ

قاتل نظر میں شوخیاں جب پھیلنے لگیں
رنگین شام ہونے لگی میرے خوں کے ساتھ

لب مُسکرائے درد سے آنکھیں چھلک پڑیں
کلیوں پہ رنگ آگیا سوزِ دروں کے ساتھ

دُکھ درد کا علاج ترے خط سے یوں ہُوا
تڑپا ہوں لفظ لفظ پہ لیکن سکوں کے ساتھ

دل کا لہُو قفس میں کرے شرطِ زندگی
کرنا خدا کا دیکھیے صیدِ زبوں کے ساتھ

○

گرمیٔ جوہر نہیں تو خاک ہے شمس و قمر میں
آتشِ دل کے سوا رکھا ہے کیا رقصِ شرر میں

ساغرِ ہستی سے اُبھرا ڈوب کے جب آفتاب
روشنی کا خون شامل ہو گیا شام و سحر میں

سانس لینا کس قدر مشکل ہُوا اُونچے گھروں میں
دم نکلنا بھی کہاں آسان ہے نیچے نگر میں

ہر گھڑی درپیش تجھ کو مرحلۂ موت و زیست
اِرتقا کی آخری منزل بھی گُم، راہِ سفر میں

لڑکھڑا کے زندگی کی یوں نہ قدروں کو مٹاؤ
اِک توازن ہے ضروری جانِ من نقد و نظر میں

آئنوں کی آب سے ذوقِ نظر تو جل رہا ہے
کون سی صورت سے اب ٹھنڈک پڑے قلب و جگر میں

کیوں نظر آباد کر کے دل کیا برباد تُو نے
جُز تجھے زخمِ جگر کے کیا مِلا زیر و زبر میں

○

مٹّی کے مکاں نقش ہیں پُرسوز نوا کے
شیشے کے محل عکس ہیں پتھّر کی صدا کے

ہنستی ہے کلی دامن ترا اپنا جلا کے
جلتی ہے نظر ساغرِ غم دل کو پلا کے

رکھّیں گے تری یاد کو سینے سے لگا کے
بیٹھے ہیں سرِ راہ جو منزل کو بھُلا کے

بسمل کو بڑے شوق سے دیکھے ہے ترکاری
خنجر کی چمک پہ ہے نگہ تیز چلا کے

پڑھ لو جو ہواؤں پہ نصیبوں نے لکھا ہے
ہاتھوں میں کبھی آئیں گے نہ جھونکے ہوا کے

سُوکھے ہُوئے چشموں پہ کبھی سایہ نہ ہوگا
بھیگی ہُوئی پلکوں پہ دیئے رکھنا جلا کے

شیطان سے ڈرتا ہے بڑا آج بھی انساں
کیا خوفِ خدا دل میں نہیں بندے خدا کے
قیصر ہے کبھی کسریٰ کبھی تیغِ ھلاکو
بندے کا بڑا نام ہے دنیا کو مٹا کے
جو مر کے بھی زندہ ہی رہیں بندے ہیں تیرے
ہیں راز کئی اس میں نہاں تیری رضا کے
دنیا میں کئی ایسے تھے جو تجھ کو نہ مانے
رکھتے ہیں کئی آج بھی دامن کو بچا کے
جن کو نہ زمیں پر تُو مِلا اُن کو گماں ہے
پا لیں گے تجھے چاند ستاروں پہ وہ جا کے
روشن تھیں بڑی اُس کی تو ماتھے کی لکیریں
کم بخت مگر سو ہی گیا نظریں بچا کے
پاتا ہے سکوں دشتِ جنوں دل کی تڑپ سے
ہنستی ہے خِرد حُسن کی دُنیا کو رُلا کے

○

چشمِ غزال میں بھی تو دشتِ خیال میں بھی تُو
لیلیٰ کی آنکھ میں بھی تو مجنوں کے حال میں بھی تُو

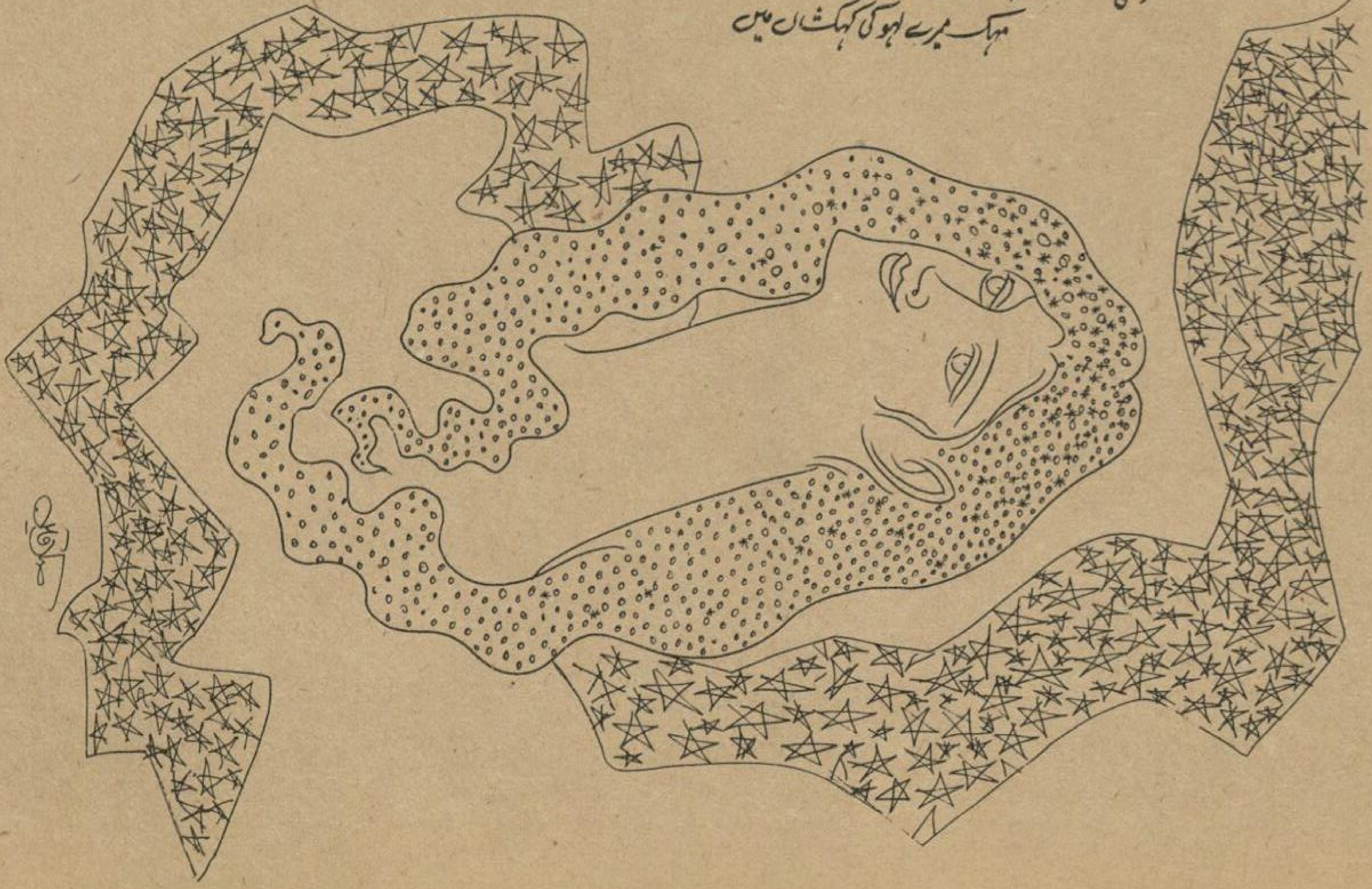
عشقِ بُتاں سے مل گیا میرے جنون کو جمال
سودائے عشق میں بھی تو حُسنِ کمال میں بھی تُو

آنکھوں پہ نہ بٹھا مجھے پستی سے نہ اُٹھا مجھے
حاصلِ عروج کا بھی تُو مقصد زوال میں بھی تُو

شیشے میں بال آگیا ٹوٹا ہُوا ہے دل مرا
صورت تری جہاں نما جامِ سفال میں بھی تُو

اب تک تو حل نہیں ہُوا اک مسئلہ رکُن فکان
سیدھا جواب ہے یہی ٹیڑھے سوال میں بھی تُو

کھلی افشاں ہے زلفِ عنبریں میں
مہک میرے لہو کی کہکشاں میں



خوشیوں کے ساتھ ساتھ ہی تیری نظر میں اشک تھے
ہنستا رہا ہے کس طرح حزن و ملال میں بھی تو

ساگر میں تیرا کودنا جیون کی جل ترنگ تھی
پھر کیوں مچل کے آ گیا نظروں کے جال میں بھی تو

تجھ سے ملاپ کیا ہوا مجھ سے جُدا تو کب رہا
دھڑکن کے سوز میں بھی تو دل کے وصال میں بھی تو

دل کو قفس میں ڈال کے صیّاد سوچ دے گیا
فکرِ سخن کی قید میں دامِ خیال میں بھی تو

○

میری دنیا لوٹ کر دل بن گیا ہے راز داں
دشمنِ جاں مجھ پہ آخر ہو گیا ہے مہرباں

پھر کسی نے شاخِ نازک پر بنایا آشیاں
بجلیوں سے بچ گیا تو لے اُڑیں گی آندھیاں

دل جلوں کی سُن صدائیں روشنی اے روشنی
کم نصیبوں کو دکھا دے اب تو اپنا گم نشاں

آس کا سورج بھی آخر گہہ گیا شام و سحر
رات دن روتے ہیں شبنم یہ زمین و آسماں

زندگی کے گلبدن میں روشنی کا زہر ہے
ہر کرن کو ڈس رہا ہے دم بہ دم کالا سماں

درد کے دن زخمِ دل سے ہو گئے رنگین تر
داغ راتوں میں کھلے تو رنگ لائی کہکشاں

منزلوں کی جستجو تو راستوں کی دھول ہے
چہرے چہرے پر جمی ہے دیکھ گردِ کارواں

طاقتِ پرواز چھینی وقت کی آواز نے
گنبدوں میں توڑتی ہے دم صدائے ناتواں

زرد کرنوں میں گلابی پھول گلچیں نے چُنے
سبز شاخوں سے لپٹ کر دم بخود ہے آسماں

زندگی پر موت کا ایسا گماں ہونے لگا
دھوپ چھاؤں سے مسافر ہو گیا ہے بدگماں

عشق تو ہے اک فسانہ کہہ گیا وعدہ شکن
بے وفا کو دل سنائی کیوں وفا کی داستاں

○

ٹوٹ کر تارا گرا پھر آسماں سے
دل جلا اک اور جاتا ہے جہاں سے

تا ابد آتی رہے گی ہر زماں سے
اِک صدائے کُن فکاں کون و مکاں سے

رو پڑے بادل زمیں کی تشنگی پہ
آگیا سیلاب جانے یہ کہاں سے

زندگی کے داغ روشن کر گیا ہے
کیوں شکایت ہو مجھے اُس مہرباں سے

بجھ گیا بھیگی ہوئی شب کا دیا جب
ہر طرف پھیلا دُھواں آہ و فغاں سے

عمر بھر شاید اندھیرے میں ہی رہتے
کھُل گئی ساری حقیقت اک گماں سے

ہر کسی کو آزماتا تھا جو دیکھو
آج خود گھبرا رہا ہے امتحاں سے

زندگی بھر بے زباں روتے رہیں گے
پر گلہ کرتے نہیں ہیں ہم زباں سے

اس طرح لُوٹا چمن کو باغباں نے
بُوئے گل آتی رہے گی گلستاں سے

ہم سمجھ بیٹھے تھے جس کو اپنی منزل
ابتدا ہو گی سفر کی اب وہاں سے

فصلِ گل میں ہر نظر رنگین تر تھی
چشمِ گریاں میں دھنک ہے اب خزاں سے

مل گئے ہم کو تمدُّن کے دفینے
ایک گزرے کارواں کے گُم نشاں سے

آنسوؤں کے اُس طرف تو روشنی ہے
کون جانے کیا پرے ہے کہکشاں سے

دل کی منزل انتہائے کج ادائی
ہر سفر کی ابتدا بارِ گراں سے

○

انداز اُس نظر کے جو صرفِ نظر کروں
پھر کیوں نہ چشمِ تر کو بھی نذرِ شرر کروں

منزل کی آرزو ہے نہ راہوں کی جستجو
اُمیّد کے خلاؤں میں پھر کیوں سفر کروں

یادوں کی کرچیوں میں جو جھلمل کریں چراغ
صرف آنسوؤں کو دیکھ کے کیونکر سحر کروں

بخشا تھا دل کو میں نے کہ روشن ضمیر تھا
قاتل ہیں جو نظر کے تو کیوں درگزر کروں

اخبار دیکھتے ہی اندھیرا سا چھا گیا
ہیں سرخیاں لہو کی نگاہیں جدھر کروں،

دل سے اُبلتے خون میں ڈوبی ہیں انگلیاں
ہوش و خرد کے قتل کی کس کو خبر کردں

نفرت بھرے جہان میں خانہ بدوش ہوں
تو ہی بتا میں کیسے ترے دل میں گھر کروں

جیسے کٹے گی کاٹ ہی لوں گا میں راہِ مرگ
تیرے بغیر زیست کا کیسے سفر کروں

دل سے ٹپک رہا ہے مرا دم بہ دم لہو
حیراں ہوں کس طرح سے میں کارِ جگر کروں

○

پھر یاد آ گئے وہ گزرے ہوئے زمانے
پھر میرے دل کی دھڑکن جاں کو لگی جلانے

تیرے حسین وعدوں سے دل میں رونقیں تھیں
آنکھوں کی روشنی تھے رنگیں ترے بہانے

غم سے اندھیری راتیں اُمید سے تھیں روشن
جو خواب تھے حقیقت وہ بن گئے فسانے

مستی بھری نظر میں رنگوں کی شوخیاں تھیں
توڑے نظر سے ہم نے ساغر کئی پرانے

اُجڑے ہوئے چمن کی شاخیں بنیں صلیبیں
آئے ہیں چاک دامن ان کو گلے لگانے

ہر دل میں تھی محبّت ہر آنکھ میں حیا تھی
اب اُن حقیقتوں کے لکھتا ہوں میں فسانے

○

تنگ آ گئے ہیں حسن کی آوارگی سے ہم
اب کام لیں گے عشق کی دریادلی سے ہم

ڈوبے نہ سازِ دل کی کبھی نغمگی سے ہم
اندھے ہوئے ہیں وقت کی ہر راگنی سے ہم

ڈرنے لگے تھے وصل کی شب بے کلی سے ہم
گھبرا رہے ہیں ہجر کی اب ہر گھڑی سے ہم

تاریک ہو رہے ہیں جو اس نسل کے خیال
لوح و قلم کو پاک رکھیں دھاندلی سے ہم

دیکھ اے ندیم کتنی شگفتہ ہے زندگی
اُجڑے چمن سے نکلے سدا شبنمی سے ہم

اس کشمکش سے اپنی نظر میں جلے چراغ
رُوٹھی کبھی وہ ہم سے کبھی زندگی سے ہم

اپنی زبان آپ ہی رکھ دی ہے کاٹ کر
اب کیا گلہ کریں گے کسی آدمی سے ہم

منزل ملے گی اب نہ کبھی عمر بھر ہمیں
مصروف ہیں سفر میں بڑی بے دلی سے ہم

اس عصرِ نو میں دور خدا سے ہیں آدمی!
انسان بن گئے بھٹکے کبھی بندگی سے ہم

سر پر نہ آسماں تھا نہ پیروں تلے زمیں
گزرے کبھی جو بھول کے تیری گلی سے ہم

جُز تیرے دل کا حال کوئی جانتا نہیں
صورت سے لگ رہے ہیں مگر اک ولی سے ہم

غیروں کے درمیان رہے گھر کی سوچتے
اپنے ہیں گھر میں آج مگر اجنبی سے ہم

گزرے دنوں کی دھوپ کو آنکھیں ترس گئیں
دل جل بجھے ہیں وقت کی اس چاندنی سے ہم

○

آج ہر اِک لفظ روتا ہے مری تقدیر کا
رنگ لائے گا لہُو کل درد کی تصویر کا

روزنِ زنداں سے آتی ہے نظر جو روشنی
معجزہ ہے یہ کسی کے خون کی تنویر کا

دھڑکنوں کا سلسلہ ہے زندگی کے پاؤں میں
ہر نفَس ہے دہر میں حلقہ اسی زنجیر کا

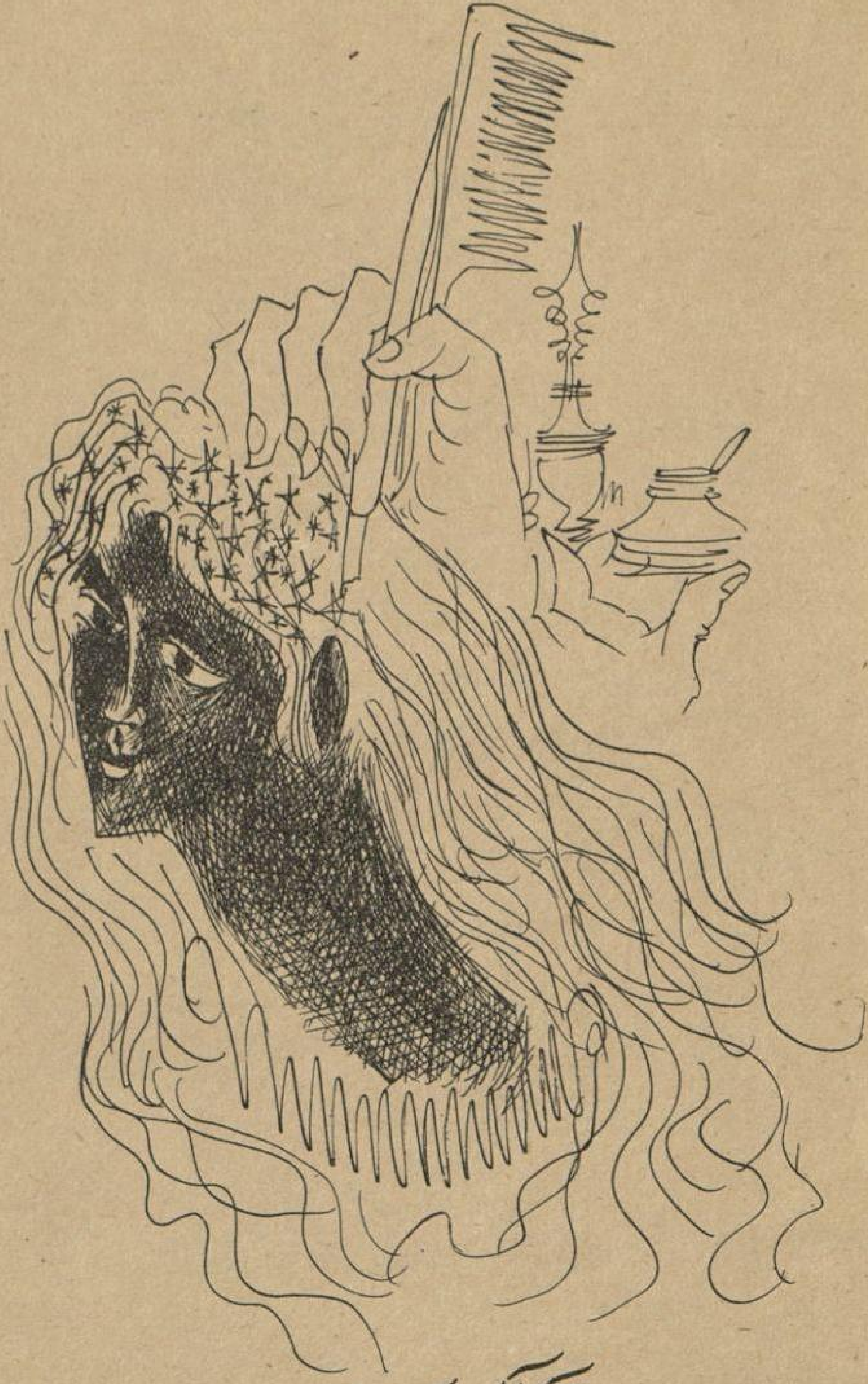
کاتبِ تقدیر ہنستا ہے قلم کو توڑ کر
آدمی روتا ہے بن کے بھی خدا تحریر کا

آتشِ جاں سوز سے پتّھر بھی ہیرا بن گیا
تاب رکھتا ہے نظر میں اور جگر دلگیر کا

رقصِ بسمل اِک تماشا ہے جہاں کے واسطے
زخم کاری اب نہیں ہے وقت کی شمشیر کا

ہر کوئی روتا ہے قسمت کی لکیریں دیکھ کر
ہے عمل کی زندگی میں ہاتھ کچھ تقدیر کا

لُوٹ کر نیندیں مری جو خواب دھڑکن دے گیا
منتظر ہے دل مرا اُس خواب کی تعبیر کا



مرے قلم کی نوک پہ ہے اک سیاہ بوند
تاریکیوں کی مانگ میں کب تک افشاں بھروں

صادقین (SADEQUAIN)
۹ فروری ۷۷ء

شناسائی

چوہدری جلال خاں چیمہ ریٹائرڈ تحصیلدار ۱۹۳۴ء گجرات پنجاب کی وہ مقتدر شخصیت ہیں جن کی قدر و منزلت سے زمانے کو آج بھی انکار نہیں۔ ایک صدی سے اوپر عمر ہو چکی ہے مگر دنیا آج بھی ان کی زندہ دلی اور انسان دوستی کی معترف و معتقد ہے۔ اُنھوں نے دنیاوی جاہ و حشمت پر انسانی اقدار اور وقار کو ہمیشہ ترجیح دی۔ ان کی شرافت اور نجابت کی ایک صدی گواہ ہے۔

کرنل گُل نواز چیمہ مرحوم ان کے وجیہہ و صبیح بیٹوں میں سے تھے۔ ان کی ناگہانی اور جواں موت نے جہاں چوہدری جلال خاں چیمہ کی نظر کا نور چھین لیا وہاں مصنّف کے دل کا سکون بھی زندگی کی دھڑکنوں میں دفن کر دیا۔

کرنل گل نواز چیمہ مرحوم گورنمنٹ کالج لاہور کے گریجویٹ تھے۔ وہ سرو قد، سرخ و سپید رنگت اور انتہائی من موہنی شخصیت اور مسکراہٹ کے مالک تھے۔ اُن کی ذہانت، لیاقت اور شرافت ملنے والوں کے دل موہ لیا کرتی تھی۔ اُن کی گردن کا خم آج بھی مقدس محرابوں کے تقدس کا یقین دلاتا ہے۔

لیفٹننٹ کرنل دل نواز چیمہ کرنل گل نواز چیمہ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ ابتدائی تعلیم مشن ہائی سکول گجرات پنجاب سے حاصل کی۔ میٹرک ڈینیز ہائی سکول راولپنڈی سے اور ایف ایس سی (نان میڈیکل) کا امتحان گارڈن کالج راولپنڈی سے پاس کیا۔ ۱۹۵۲ء میں پاکستان آرمی میں کمشن کے امتحانی مقابلے میں کامیاب ہوئے اور ۱۹۵۵ء میں پاکستان ملٹری اکیڈیمی کاکول سے ریگولر کمشن حاصل کر کے ای۔ ایم۔ ای کور میں سیکنڈ لفٹننٹ کے عہدے پر فائز ہوئے۔

پھر پنجاب (اب گورنمنٹ) کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی مغلپورہ لاہور میں پاک آرمی کے اُمیدوار کی حیثیت سے داخلہ حاصل کیا۔ بی۔ ایس۔ سی (فزکس کیمسٹری اور بی ایس سی مکینیکل انجینئرنگ (پنجاب) کرنے کے بعد اعلیٰ فنی تعلیم کے لیے آسٹریلیا چلے گئے۔ وہاں سے ۱۹۶۲ء میں فارغ التحصیل ہو کر لوٹے۔ ۱۹۷۴ء میں انسٹیچوٹ آف انجینئرز پاکستان کے فیلو چُنے گئے۔

اپنے ادبی اور شعری ذوق و شوق کے لیے محترم و مکرم جناب مولوی محمد حسن کنجاہی کے مرہونِ منّت ہیں۔ جنھوں نے تپتی دوپہروں اور ٹھٹھرتی راتوں میں انھیں اُردو اور فارسی کے گرم و سرد سے آشنا کیا۔ مولوی صاحب موصوف پہلے مشن ہائی سکول گجرات اور پھر مسلم ہائی سکول گجرات میں مدرّس رہے۔ مولوی صاحب کی سادہ، پُرخلوص اور بااصول زندگی نے دل پر اپنا گہرا رنگ اور اثر چھوڑا ہے۔ مولوی صاحب دلؔ کے والدِ محترم کے بھی اُستاد رہ چکے ہیں۔ مولوی صاحب اُن سے بڑا ذہنی لگاؤ اور محبت رکھتے تھے۔ وہ اُن کے چند ہونہار اور برخوردار شاگردوں میں سے تھے۔

لیفٹننٹ کرنل دل نواز چیمہ گجرات پنجاب میں پیدا ہوئے۔ دراز قامت، کسرتی جسم اور نصرتی چہرے کے مالک ہیں۔ کالج کے زمانے میں سپورٹس مین اور ایتھلیٹ رہ چکے ہیں۔ گارڈن کالج کی باسکٹ بال ٹیم کے ممبر تھے۔ اور متعدد یونیورسٹی میچوں میں کالج کی طرف سے حصّہ لیتے رہے۔ دو سال آسٹریلین آرمی (REME) کی الیون میں بھی کھیل چکے ہیں۔

ادب کی ہر صنف کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جدّت کے معترف اور روایت کے پرستار ہیں۔ اسلاف کی تعظیم کرنا فرض سمجھتے ہیں۔ اور ہر نئی سوچ کو خلوص اور سچائی سے پرکھنے کے قائل ہیں۔

دل نواز دلؔ ایک جواں سال، جواں فکر اور ہمہ گیر شاعر ہیں۔ ہنس مکھ اور مرنجاں مرنج طبیعت پائی ہے۔ عمیق مطالعے اور باریک مشاہدے میں ایمان رکھتے ہیں۔ مزاج کی نغمگی، دل کا جذب اور احساس کی شدّت ورثے میں ملی ہے۔ اس لیے فطرتاً نغم و نظم سے گہرا لگاؤ ہے۔ انجینئرنگ کالج کے میگزین ینکوما (اُردو، انگریزی) کے چیف ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ نظم و نثر دونوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ شعر اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں بلا تکلّف کہتے ہیں۔ تحقیق و تنقید، مشرقی و مغربی ادب اور فلسفے پر بھرپور نظر رکھتے ہیں۔

مصنّف کے خاندان کے بیشتر افراد کئی پشتوں سے سپاہیانہ زندگی کو اپنائے ہوئے ہیں۔ اس برسوں کے خاندانی مسلک اور طرزِ عمل نے دلؔ کی خاک و خمیر اور فکر و نظر کو وسعتِ غم اور حقیقتِ جہاں سے آشنا کر دیا ہے۔ جس کی شہادت اُن کے شعروں کی انفرادیت اور آفاقیت سے ملتی ہے۔ دلؔ کی ذہنی ہمہ گیری رنگِ تحریری اور گوناگوں تجربے نے صنفِ غزل کو ادب کی دنیا میں مقامِ محمود کا پتہ دیا ہے۔

شریف کنجاہی

تشکّر

کتاب کی تزئین محترم صادقین نے
جس محبّت اور خلوص سے کی ہے، اُس
کے لیے میں اُن کا تہِ دل سے ممنون ہوں۔

جس محنت اور لگن سے برادرم خالد سیف اللہ
نے التحریر سے اس مجموعہ کو چھاپا ہے، میں
اُس کے لیے اُن کا بیحد احسان مند ہوں۔
یہ اُن کی انتھک کوششوں کا ہی نتیجہ ہے
کہ آج میرے سخن کی کتابی صورت سے آشنائی
ہوئی ہے۔